احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

نومبر 2016ء

شانِ رحمۃ للعالمین ﷺ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا خصوصی خطاب

دینی امور کی انجام دہی جدید تفہیم کی ضرورت

کردارِ مسلم کی بنیادی علامات اور چند تشخصات

اخلاقی اقدار کا فروغ کیونکر ممکن ہے؟

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا
فروغِ امن اور انسدادِ دہشت گردی کیلئے اِسلامی نصاب
اسلام میں محبت اور عدمِ تشدد
الأحكام الشرعية
دہشت گردی اور فتنۂ خوارج
مبسوط تاریخی فتویٰ
اسلام اور اہلِ کتاب
الوفا في رحمة النبي المصطفى
ISLAM ON MERCY AND COMPASSION
ISLAM ON LOVE AND NON-VIOLENCE
الجهاد الأكبر
العطاء العميم في رحمة النبي العظيم
البيان في رحمة المنان
ISLAM ON SERVING HUMANITY
ISLAMIC CURRICULUM ON PEACE AND COUNTER-TERRORISM
For Clerics, Imams and Teachers
ISLAMIC CURRICULUM ON PEACE AND COUNTER-TERRORISM
For Young People and Students
ISLAMIC CURRICULUM ON PEACE AND COUNTER-TERRORISM
Further Essential Reading
Islamic Spirituality and Modern Science
The Scientific Bases of Sufism
MUHAMMAD THE MERCIFUL
PEACE, INTEGRATION AND HUMAN RIGHTS
RELATIONS OF MUSLIMS AND NON-MUSLIMS
THE SUPREME JIHAD
FATWA ON TERRORISM AND SUICIDE BOMBINGS
SHAYKH-UL-ISLAM DR MUHAMMAD TAHIR-UL-QADRI

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیرالاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

بفیضان نظر

قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز

زیر سرپرستی

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری

جلد 30 شمارہ 11 / صفر ۱۴۳۸ھ / نومبر 2016ء

حسن ترتیب

اداریہ۔ کرپٹ سلطنت شریفیہ کے اقتدار کا خاتمہ ناگزیر ہے		3
(القرآن) ۔ شانِ رحمۃ للعالمین	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری	5
(الفقہ) ۔ آپ کے فقہی مسائل	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	11
کردارِ مسلم کی بنیادی علامات اور چند تشخصات	ڈاکٹر نعیم انور نعمانی	14
دینی امور کی انجام دہی۔ جدید تفہیم کی ضرورت	ذیشان احمد مصباحی، منظرالاسلام ازہری	19
(سلسلہ تعلیم و تربیت) ادارہ کی تشکیل۔ اہمیت و ضرورت	صاحبزادہ مسکین فیض الرحمان درانی	25
اخلاقی اقدار کا فروغ کیونکر ممکن ہے؟	محمد یوسف منہاجین	29
پاکستان میں تعلیمی کارکردگی۔ PAT کا حقائق پر مبنی وائٹ پیپر جاری	عین الحق بغدادی	43
تحریکی سرگرمیاں		39

چیف ایڈیٹر
ڈاکٹر علی اکبر قادری الازہری

ایڈیٹر
محمد یوسف

اسسٹنٹ ایڈیٹر
محمد شعیب بزمی

مجلس مشاورت
صاحبزادہ فیض الرحمٰن درانی، خرم نواز گنڈا پور
احمد نواز انجم، جی ایم ملک
سرفراز احمد خان، منظور حسین قادری
غلام مرتضیٰ علوی، نوراللہ صدیقی، فرح ناز

مجلس ادارت
علامہ محمد معراج الاسلام مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی
پروفیسر محمد نصراللہ معینی، ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم
گرافکس: عبدالسلام
خطاطی: محمد اکرم قادری
عکاسی: قاضی محمود الاسلام

قیمت فی شمارہ: 35 روپے
سالانہ خریداری: 350 روپے

بیرون ممالک: مشرق وسطیٰ جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ و رہاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ

www.minhaj.info
www.facebook.com/minhajulquran
email:mqmujallah@gmail.com (مجلہ آفس و سالانہ خریداران)
minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبر شپ/ رفقاء)
smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)
Phone: UAN:042-111-140-140 Ext:128

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 01970014575103 حبیب بینک منہاج القرآن برانچ ماڈل ٹاؤن لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور

حمد باری تعالیٰ

صبحِ نو کے سر پر دستارِ گہر دیتا ہے وہ
آسماں کی وسعتوں میں رہگذر دیتا ہے وہ

موسموں کی رتھ اسی کے حکم کی پابند ہے
ہر برہنہ شاخ کو برگ و ثمر دیتا ہے وہ

وہ جو صناعِ ازل ہے وہ جو ہے روزی رساں
ہر کسی انسان کو دستِ ہنر دیتا ہے وہ

اُس کے دستر خوان کی وسعت کا اندازہ کرو
لب مقفل بھی رکھے کوئی مگر دیتا ہے وہ

تیشۂ فرہاد لے کر کوئی نکلے تو سہی
کھولتا ہے راستے، زادِ سفر دیتا ہے وہ

تا ابد خوشبو جلائے گی گلستاں میں چراغ
کب چمن زاروں کو عمرِ مختصر دیتا ہے وہ

آسمانوں پر سجاتا ہے ستاروں کا ہجوم
گھُپ اندھیری رات میں پورا قمر دیتا ہے وہ

جس سے چھت بھی چھین لیتے ہیں جہاں والے ریاضؔ
سایۂ ابرِ کرم میں اُس کو گھر دیتا ہے وہ

﴿ریاض حسین چودھریؔ﴾

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

چراغ حق جلایا جارہا ہے
اندھیروں کو مٹایا جارہا ہے
کسی کی آمد آمد ہے یقیناً
جہاں بھر کو سجایا جارہا ہے
پڑھی جو نعت تو آواز آئی
تمہیں طیبہ بلایا جارہا ہے
حریم ناز میں وہ جلوہ گر ہیں
ابھی پردہ اٹھایا جارہا ہے
بھلا ایسا سخی کوئی اور ہوگا
ملا جو کچھ لٹایا جارہا ہے
مرے آقا وہ قرآنِ مجسم
جو نعتوں میں سنایا جارہا ہے
وہ اقصیٰ میں جماعت انبیاء کی
امام اِن کو بنایا جارہا ہے
میرے آقا کا حسنِ خُلق دیکھو
گلے سب کو لگایا جارہا ہے
جو مدت سے بہم شمشیر زن تھے
انہیں پھر سے ملایا جارہا ہے
جو کر دے آشنا اسرارِ حق سے
سبق ایسا پڑھایا جارہا ہے
یہ بھینی بھینی خوشبو کہہ رہی ہے
مدینہ پاس آیا جارہا ہے
ولادت مصطفیٰ ایسی ہے ساحرؔ
لو آیا نور سایا جارہا ہے

(احسان حسن ساحرؔ)

اداریہ

کرپٹ سلطنت شریفیہ کے اقتدار کا خاتمہ ناگزیر ہے

پاکستان اپنی تاریخ کے انتہائی نازک دور سے گزر رہا ہے۔ اندرونی و بیرونی محاذ پر ریاستِ پاکستان کو کئی ایک چیلنجز درپیش ہیں۔ مقتدر طبقہ آئین پاکستان کا مذاق اڑا رہا ہے۔ دہشت گرد گروپوں اور کالعدم تنظیموں کے سٹیٹ بنک کی طرف سے منجمد ہونے والے 21 سو اکاؤنٹس میں سے 1443 کا تعلق پنجاب سے صاف ظاہر کرتا ہے کہ پنجاب دہشت گردوں کا نظریاتی ہیڈ کوارٹر ہے۔ ان دہشت گردوں کے سہولت کار اقتدار میں بیٹھے ہیں جو انہیں تحفظ فراہم کئے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان حکمرانوں کے ہوتے ہوئے دہشت گردی ختم نہیں ہوسکتی۔

دہشت گردی کی سرپرستی، ناقص تر طرز حکمرانی اور کرپشن کی بہتات کی بنا پر چیف جسٹس آف پاکستان بھی یہ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ ''پاکستان میں جمہوریت نہیں بادشاہت ہے''۔ قائد انقلاب ڈاکٹر محمد طاہرالقادری عرصہ دراز سے انہی حقائق اور حکمرانوں کے معاشی و قومی سلامتی کے منافی اقدامات کی طرف قوم اور مقتدر اداروں کو متوجہ کررہے ہیں اور ان حکمرانوں کو ملک و قوم کی سلامتی کے لئے خطرہ قرار دے چکے ہیں۔ قومی سلامتی پر ہونے والی انتہائی اہم میٹنگ کی کارروائی کی حکومتی آشیر باد و معاونت سے غلط رپورٹنگ ان حکمرانوں کی قومی سلامتی کے برخلاف اقدامات کا بین ثبوت ہے۔ قومی ایکشن پلان کے ساتھ حکومت کی طرف سے شرمناک سلوک کا سلسلہ جاری ہے اور حکمران دہشت گردوں کے خلاف فیصلہ کن معرکہ پر آمادہ نظر نہیں آتے۔ حتی کہ مسئلہ کشمیر پر بھی سیاست ہورہی ہے، جس کا مقصد پاناما لیکس کے احتساب اور سانحہ ماڈل ٹاؤن کے قصاص سے توجہ ہٹانا ہے۔ معاشی طور پر صورت حال بایں جارسید کہ موٹرویز اور ریڈیو پاکستان کی عمارت گروی رکھ کر قرض لئے جارہے ہیں۔

موجودہ حکمرانوں نے لوڈشیڈنگ کے خاتمہ اور کشکول توڑنے سمیت قوم سے جتنے بھی وعدے کیے وہ سب جھوٹ ثابت ہوئے۔ قومی غیرت گروی رکھ کر دھڑا دھڑ قرضے لیے جارہے ہیں جس کا سود آئندہ کئی نسلیں ادا کرتی رہیں گی۔ 60ء کی دہائی سے لیکر آج کے دن تک 10 ایمنسٹی سکیمیں آئیں جس کا فائدہ صرف اور صرف ٹیکس چوروں، ڈرگ سمگلرز اور منشیات فروشوں کو پہنچا۔ بار بار ایمنسٹی سکیموں سے ٹیکس چوروں کے حوصلے بڑھائے گئے جس کی قیمت عام آدمی بجلی، گیس کے مہنگے بلوں، جی ایس ٹی میں غیر قانونی اضافہ اور اشیائے خورونوش کی قیمتوں میں مصنوعی اضافے کی صورت میں بھگت رہا ہے۔ حکومت کی کرپشن اور کمیشن پر مبنی معاشی فیصلوں کے باعث غیر ملکی سرمایہ کاری میں رواں سال 53 فیصد تک کمی ریکارڈ کی گئی ہے۔

سی پیک کے قصے سنانے والے حکمران پیپہ اورنج ٹرین اور میٹرو بسوں جیسے شاہی منصوبوں پر خرچ کر کے ٹیکسوں، غربت اور ملکی قرضوں میں اضافہ کررہے ہیں۔ ملک میں غربت بڑھ رہی ہے۔ عوام کیلئے یوٹیلٹی بلوں کی ادائیگی ناممکن ہوچکی ہے۔ سپیشل ڈویلپمنٹ گولز کے حوالے سے زمینی حقائق بتارہے ہیں کہ فاٹا میں 73 فیصد غربت ہے، بلوچستان میں 71 فیصد، خیبر پختونخوا میں 49 فیصد، گلگت بلتستان میں 43 فیصد، سندھ میں 43 فیصد، پنجاب میں 31 فیصد عوام خط غربت سے نیچے زندگی بسر کررہے ہیں۔ 80 فیصد آبادی صاف پانی اور 60 فیصد آبادی تعلیم، صحت کی بنیادی سہولتوں سے محروم ہیں۔

ان حالات میں 19 کروڑ عوام اور قومی سلامتی کے اداروں کو فیصلہ کرنا پڑیگا کہ انہیں ملک کو عالمی مہاجنوں کا محکوم اور چند کرپٹ خاندانوں کی چراگاہ بنانا ہے یا اسے حقیقی معنوں قائد

اعظمؒ کا پاکستان بنانا ہے۔ شریف برادران کی کرپشن کے ثبوت واضح ہیں مگر کوئی ادارہ ان پر ہاتھ ڈالنے کیلئے تیار نہیں ہے۔ شریف برادران ملکی سلامتی اور غریب عوام کے دشمن ہیں۔ ان کے ہوتے ملک بحرانوں کا شکار رہے گا کیونکہ ان کے مالی مفادات دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ پاکستان کے وفادار نہیں ہیں۔ پانامہ لیکس کے انکشافات، سانحہ ماڈل ٹاؤن، دشمن ملک کے جاسوسوں کا اِن کی ملز سے پکڑے جانے پر اِن کی خاموشی اور قومی سلامتی پر غلط رپورٹنگ کو دانستہ میڈیا پر مشتہر کروانا، یہ تمام واقعات اس کے ناقابل تردید ثبوت ہیں۔

موجودہ جمہوریت اکثریتی آمریت میں بدل چکی ہے، ادارے بے توقیر اور غیر فعال ہو چکے ہیں۔ نظام ڈیلور نہیں کر رہا۔ مافیا اس نظام کو اور یہ نظام مافیا کو تحفظ دے رہا ہے۔ ہر چھوٹے بڑے ادارے میں ن لیگ کے خاندانی نوکر اور نیاز مند بیٹھے ہیں جو شاہ سے زیادہ شاہ کی وفاداری کا عملی مظاہرہ کرتے اور ان کی ریاستی و معاشی دہشت گردی کو چھپانے میں اپنا حصہ ڈالتے نظر آتے ہیں۔ نظام کی تبدیلی، حقیقی معنوں میں آزاد و خود مختار الیکشن کمیشن اور ادارہ جاتی اصلاحات انتہائی اہم امور ہیں۔ مگر حکمرانوں کو اِن سے کوئی سروکار نہیں اس لئے کہ اِن امور کا اسی طرح چلتے رہنا ہی ان کے حق میں ہے۔ لوٹ کھسوٹ کے اس نظام میں ان کی جڑیں انتہائی گہری ہیں۔ کوئی بھی جماعت تنہا موجودہ لٹیرے اور شاطر حکمرانوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ قومی خزانوں کے لٹیروں اور انسانیت کے قاتلوں کا احتساب نہ ہوا تو پھر جتنے بھی انتخابات ہوجائیں، ہر الیکشن اس سول آمریت اور کرپشن کے کلچر کو مضبوط کرے گا۔ یہاں تو پارلیمنٹ وزیراعظم کا محاسبہ نہیں کرسکتی۔ عدلیہ بھی جراتمندانہ اقدام سے گریزاں دکھائی دیتی ہے۔

ان حالات میں تحریک منہاج القرآن اور پاکستان عوامی تحریک کی محبّ وطن، جمہوریت پسند اور با شعور قیادت اور کارکنان نے وقت کے فرعون صفت حکمرانوں کو ہر محاذ پر چیلنج کر رکھا ہے۔ ہمارے کارکن قومی جمہوری مقاصد کے اہداف کے حصول کیلئے آج بھی پر عزم اور تازہ دم ہیں۔ ہم انصاف کے حصول، کرپشن کے خاتمہ اور بنیادی انسانی حقوق کی بحالی کے لئے اس ظالم نظام اور فرعون صفت حکمرانوں کے خلاف جہدوجہد جاری رکھیں گے اور پاکستان کو اِن ریاستی و معاشی دہشتگردوں کے چنگل سے آزاد کرواکر دم لیں گے۔

ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اس نظام میں اب چہروں کی تبدیلی کی گنجائش بھی ختم ہو چکی ہے۔ اس لئے کہ باپ کے بعد بیٹی، بیٹے اور بھانجے، بھتیجے تیار بیٹھے ہیں۔ اِن ہاؤس تبدیلی ہو یا اس نظام کے تحت نئے الیکشن کچھ نہیں بدلے گا بلکہ یہی گینگ پھر واپس آجائے گا۔ قوم اور ملک کو آئین کی اصل روح والا جمہوری نظام اور آزاد ادارے چاہئیں جن کے ہوتے ہوئے کسی کو اپنے بنیادی حقوق کیلئے سڑکوں پر نہ آنا پڑے۔ جب تک قومی لٹیروں سے پائی پائی وصول نہیں کر لی جاتی اور الیکشن کمیشن، نیب، ایف بی آر، ایف آئی اے، پولیس اور سرکاری اداروں کو آئین کے مطابق آزادی نہیں مل جاتی، ملک اور قوم خوشحال نہیں ہوں گے۔ اس کے لئے کرپٹ سلطنت شریفیہ کے اقتدار کا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خاتمہ ناگزیر ہے اور اس حوالے سے قوم کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔

القرآن

شانِ رحمۃ للعالمین

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا خصوصی علمی و فکری خطاب☆

مرتّب: محمد یوسف منہاجین / معاون: محمد ظفیر ہاشمی

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ.

’’اور (اے رسولِ محتشم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر‘‘۔(الأنبیاء، ۲۱: ۱۰۷)

آقا علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے دو شانوں کا جامع بنایا ہے:

۱۔ شانِ بدءِ نبوت (نبوت کی ابتداء) یعنی نبوت کی ابتدا کرنے والے بھی حضور علیہ السلام ہیں۔

۲۔ شانِ ختم رسالت یعنی نبوت کا اختتام کرنے والے بھی آپ ﷺ ہیں۔

گویا آقا علیہ السلام تاجدارِ بدءِ نبوت بھی ہیں اور تاجدارِ ختم رسالت بھی ہیں۔ اگر آپ ﷺ کی تاجداریٔ شانِ بدءِ نبوت پر انشراحِ صدر ہو تو عقیدۂ صحیحہ ثابت ہو جاتا ہے اور اگر آپ ﷺ کی تاجداریٔ ختم رسالت پر عقیدہ صحیح ہو تو عقیدۂ باطلہ کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ کتنی خوبصورت بات ہے کہ حضور علیہ السلام کی شانِ ختم نبوت و رسالت کو اللہ تعالیٰ نے عنوان ’’رحمۃ للعالمین‘‘ کا دیا۔

لفظ رَحْمَةً کے معنوی اطلاقات

حضور نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ لفظ رَحْـمَةً کا معنوی اطلاق چار طریقے سے ہوسکتا ہے:

(۱) لفظ رَحْـمَةً منصوب کے طور پہ واقع ہوا ہے اور مفعول لہ ہے۔ اس لحاظ سے اس کا معنیٰ یہ بنتا ہے کہ ’’ہم نے اے حبیب ﷺ آپ کو تمام جہانوں کے لیے اپنی رحمت کا واحد ذریعہ اور وسیلہ بنا کر بھیجا‘‘۔ لِـأَجَلِ الرَّحْمَةِ یعنی آپ کو اس لیے بھیجا ہے کہ کائناتوں، عالموں اور دنیاؤں میں جس کو بھی میری رحمت ملے وہ آپ ﷺ کے وسیلہ اور ذریعہ سے ملے۔

صحیح بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث اس معنی کی تائید کرتی ہے۔ آقا علیہ السلام نے فرمایا:

إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللهُ يُعْطِي.

(صحیح بخاری، باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین)

’’بے شک عطا اللہ کرتا ہے مگر تقسیم صرف میں کرتا ہوں‘‘۔

إِنَّمَا کلمہ حصر ہے۔ إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ کا مطلب یہ ہے کہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ عطا اللہ کرتا ہے مگر تقسیم صرف میں کرنے والا ہوں۔ آگے جس کسی کو بھی مزید رحمت کا حصہ ملتا ہے، خزانہ علم و معرفت کا حصہ ملتا ہے، اللہ کی عطا ملتی ہے وہ حضور علیہ السلام کی تقسیم سے ملتی ہے۔ ہر کوئی اسی میں سے حصہ پاتا ہے۔

(۲) لفظ رَحْـمَةً کا ایک معنیٰ یوں بھی ہوسکتا ہے کہ رَحْـمَةً حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اس کا معنیٰ ہم یہ لیتے ہیں کہ یہ بھی حذفِ مضاف کے طور پہ آیا ہے۔

یعنی اصل عبارت یہ تھی: وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ أَيْ ذَا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ.

☆ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کانفرنس جامع مسجد گھمگول برمنگھم، UK (مورخہ: 9 جنوری 2016ء)، (CD#2330)، (خطاب نمبر: Er-5)

"اے حبیب ﷺ! آپ ﷺ کو ساری کائنات کے لیے صاحبِ رحمت بنا کر بھیجا"۔

پہلے معنیٰ میں تھا کہ "آپ کو اللہ نے اپنی رحمت کا واحد وسیلہ اور ذریعہ بنا کر بھیجا، جبکہ دوسرا معنیٰ یہ بنتا ہے کہ "اللہ نے آپ کو صاحبِ رحمت بنا کے بھیجا"۔

(۳) لفظ رَحْمَةً کا تیسرا معنیٰ یہ ہے کہ یہ رَاحِـمًا کے معنی میں ہے یعنی "آپ کو سارے جہانوں پر رحمت فرمانے والا بنا کر بھیجا ہے"۔ گویا آپ ﷺ سب پر رحم فرمانے والے ہیں۔

(۴) لفظِ رَحْـمَةً کا چوتھا معنیٰ یہ ہے کہ اگر منصوب حال پر واقع ہو تو اُس میں مبالغہ واقع ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہے کہ "اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کی ذات، آپ ﷺ کے وجود اور آپ ﷺ کی شخصیت کو ہی رحمت بنا کر بھیجا ہے"۔

یعنی اگر کوئی جاننا چاہے کہ اللہ کی رحمت کیا ہے؟ کہاں ہے؟ تو وہ جان لے کہ آپ ﷺ کا وجود ہی اللہ کی رحمت ہے۔

وجودِ مصطفیٰ ﷺ ہی اللہ کی رحمت ہے

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ. (الأعراف، ۱۵۶)

"اور میری رحمت ہر چیز پر وسعت رکھتی ہے"۔

اللہ دنیا و آخرت میں رحمت فرمانے والا ہے۔ اگر کوئی جاننا، دیکھنا اور سمجھنا چاہے کہ اللہ کی رحمت کیا ہے؟ Embodiment of Allah's mercy کیا ہے؟ فرمایا: آپ ﷺ کا وجود ہی اللہ کی کل رحمت ہے۔ یعنی اللہ کی رحمت آپ ﷺ کے وجود کے سوا ہے ہی نہیں۔ آپ ﷺ اللہ رب العزت کی ساری رحمت کی embodiment اور شکل وصورت ہیں۔ جب "وجود" کہا تو گویا آپ ﷺ کا جسم، روح، قلب اطہر، عقل و دماغ، نفس اطہر، جسم مبارک، اعصاب، گوشت، ہڈیاں مبارک، خون، موئے مبارک، کپڑے، نعلین، حرکات وسکنات، کلام حتی کہ آپ ﷺ کا سکوت بھی رحمت ہے۔

آپ ﷺ کا کسی سے خفا ہونا بھی رحمت ہے۔۔۔ کسی سے راضی ہونا بھی رحمت ہے۔۔۔ آپ ﷺ کا ظاہری زندگی میں رہنا بھی رحمت ہے۔۔۔ وصال فرما جانا بھی رحمت ہے۔۔۔ آپ ﷺ کا مکہ و مدینہ کی گلیوں میں چلنا پھرنا بھی رحمت ہے۔۔۔ گنبد خضریٰ کے نیچے آرام فرمانا بھی رحمت ہے۔۔۔ آپ ﷺ کا آنا بھی رحمت ہے اور آپ ﷺ کا جانا بھی رحمت ہے۔۔۔ اور آپ ﷺ کا جا کر یہاں رہنا بھی رحمت ہے۔۔۔ کائنات میں ہونا بھی رحمت ہے اور قیامت کے دن بھی رحمت ہے۔۔۔ قبر میں ایمان والوں کو دکھائی دینا بھی رحمت ہے۔۔۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کو اللہ نے بنایا ہی رَحْـمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ہے یعنی آپ کے وجود کو ہی رحمت بنا دیا ہے۔ نفسِ رحمت حضور ﷺ ہیں۔

شانِ رحمت کے ساتھ ولادت و بعثت

مذکورہ آیت کریمہ میں رَحْمَةً کے چوتھا معنیٰ کہ "آقا علیہ السلام نفسِ رحمت ہیں"۔ اس پر ہم اپنی بات مزید جاری رکھیں گے۔ اس معنیٰ کی تائید ہمیں قرآن اور آقا علیہ السلام کے ارشادات سے میسر آتی ہے۔ آیئے اس حوالے سے آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا مطالعہ کرتے ہیں:

☆ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آقا علیہ السلام نے فرمایا: **يا أيها الناس! إنما أنا رحمة مهداة.**

(حاکم، المستدرک، ۱: ۹۱، رقم: ۱۰۰)

"میں اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی رحمت ہوں جس کو اس نے مخلوق کو تحفے کے طور پر دیا ہے۔ میں مخلوق کے لئے اللہ تعالیٰ کا خاص تحفہ ہوں اور اس میں کوئی شک بھی نہیں"۔

اس حدیث مبارکہ میں إنـمـا کلمہ حصر بیان ہوا

ہے۔ علم بلاغت، علم معانی، علم بیان، علم بدیع کو جاننے والے علماء جانتے ہیں کہ حصر کی قسمیں ہیں:

۱۔ کبھی حصر موصوف کا صفت پہ ہوتا ہے۔

۲۔ کبھی صفت کا موصوف پہ ہوتا ہے۔

اس کو سادہ طریقے سے یوں سمجھ لیں کہ آقا علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا:

یا أیها الناس أنا رحمة مهداة. بلکہ فرمایا:

إنما أنا رحمة مهداة.

یہاں حصر موصوف کا صفت پر بھی ہے اور صفت کا موصوف پر بھی ہے۔ اس لحاظ سے اس حدیث مبارکہ کے دو معنی ہوئے:

۱۔ ایک معنی یہ ہوا کہ اے لوگو! اگر مجھے جاننا چاہتے ہو کہ میں کون ہوں؟ اگر میری معرفت چاہتے ہو کہ میں کیا ہوں؟ تو سنو! ’’میں شانِ رحمت کے ساتھ ہی مبعوث ہوا ہوں۔ میری ولادت ہی شان رحمت کے ساتھ ہوئی ہے‘‘۔

اس حدیث مبارکہ کا وہی اسلوب ہے جو اسلوب قرآن مجید کی آیت مبارکہ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ کا ہے۔ اس لئے کہ جب مَآ نفی کے بعد اِلَّا آئے تو یہی معنٰی ہو جاتا ہے۔ یہ ایک لفظ کی شکل میں ہے وہ ایک جملے کی شکل میں ہے لیکن معنٰی ایک ہی ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں گویا حضور ﷺ نے فرمایا: تم اگر جاننا چاہتے ہو کہ میں کیا ہوں اور میری حقیقت کیا ہے تو سنو میری حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اللہ کی رحمت میں ہی ہوں۔

إنما نہ لگتا تو معنٰی ہوتا ’وہ رحمت میں ہوں‘، إنما سے اب معنٰی یہ ہو گیا کہ ’رحمت میں ہی ہوں‘، یعنی رحمت کا وجود کہیں تلاش کرنے لگو تو جان لو کہ وہ سراپا رحمت میں ہی ہوں، جس میں جس قدر بھی رحمت کا عکس پاؤ گے، وہ فیض اُس کو مجھ ہی سے ملا ہے۔

لفظ مهداة، ہدیہ سے ہے۔ اس لفظ کے استعمال سے آقا علیہ السلام نے واضح فرمادیا کہ میں سراپا رحمت ہوں، اللہ کی رحمت میں ہی ہوں اور یہ رحمت میں نے محنت، مجاہدہ، ریاضت کے ساتھ حاصل نہیں کی۔ عبادت اور اخلاق حسنہ کو بڑھا بڑھا کر میں اس مرتبے پر نہیں پہنچا کہ میں سراپا رحمتِ حق بن گیا۔ نہیں، اس طرح نہیں بلکہ مهداة، میری ولادت ہی اس شانِ رحمت کے ساتھ ہوئی ہے۔ میں آیا ہی اسی شان رحمت کے ساتھ ہوں۔ یہ acquired Status نہیں بلکہ gifted ہے۔ رب نے بنایا ہی مجھے ایسے ہے۔ پس مهداة کا معنیٰ یہ ہے کہ میں نے یہ مقام achieve نہیں کیا بلکہ مجھے بنایا ہی اسی طرح گیا ہے۔

۲۔ حصر کے دوسرے زاویے سے اس حدیث مبارکہ کا معنی دیکھیں تو سوال بنتا ہے کہ اللہ رحمٰن و رحیم ہے تو اُس کی رحمت کیا ہے؟ فرمایا: اُس کی رحمت کو دیکھنا چاہتے ہو تو مجھے دیکھو، اُس کی رحمت میں ہی ہوں۔ اس بیان کے بعد آقا علیہ السلام کے سوا کسی کے لئے کسی اور جگہ سے رحمت حاصل کرنے کی جگہ نہیں بچی۔ جس کو بھی رحمت ملی، ملتی ہے یا ملے گی وہ حضور ﷺ سے ہی ہے۔

جان اور ایمان رحمتِ مصطفیٰ ﷺ کے سبب ہیں

رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ یعنی حضور نبی اکرم ﷺ نفسِ رحمت ہیں، اس معنی کی تائید ہمیں قرآن مجید سے بھی حاصل ہوتی ہے۔ ارشاد فرمایا:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ. (الأحزاب، ۳۳: ۶)

’’یہ نبیِ (مکرّم ﷺ) مومنوں کے ساتھ اُن کی جانوں سے زیادہ قریب اور حقدار ہیں‘‘۔

اس آیت مبارکہ میں نہ حضور علیہ السلام کے دین کا ذکر ہے اور نہ تعلیمات و افکار کا۔ وہ سب رحمت ہی رحمت ہیں مگر یہاں اس آیت کا موضوع حضور علیہ السلام کی ذاتِ اقدس ہے۔ اس لئے کہ فرمایا: ’’اَلنَّبِیُّ‘‘ نبی کی

ذات جن کا نام محمد ﷺ ہے یہ مومنوں کے ساتھ اُن کی جانوں سے زیادہ قریب اور حقدار ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قریب ہونے کے حوالے سے جب اپنا ذکر کیا کہ میں بھی قریب ہوں تو فرمایا:

وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ. (ق، ۵۰: ۱۶)

''اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں''۔

شہ رگ خون کی بڑی نالی (Awerta) کو کہتے ہیں۔جسم کا ایک حصہ ہے جس میں خون دل سے جاتا ہے اور پورے جسم میں پھیلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے قریب ہونے کو شہ رگ کی قربت کے موازنہ سے بیان فرمایا لیکن جب محبوب کا ذکر کیا تو یہ نہیں فرمایا کہ شہ رگ سے قریب ہے، بلکہ فرمایا: میرا محبوب تمہاری جانوں سے بھی قریب ہے۔ اس لئے کہ شہ رگ کا پھر بھی تھوڑا سا فاصلہ ہوتا ہے۔ یہ ہیں پیار و محبت کے انداز جو چھپائے نہیں جاتے۔

اب میں جو بات بیان کرنے لگا ہوں میری اس بات پر فتویٰ کوئی نہ لگائے، سودا پسند آئے تو لے جائیں،نہیں تو چھوڑ جائیں۔ ہمارے پاس بڑے گاہک ہیں کسی اور کو بیچ دیں گے اور اگر کوئی فتویٰ لگا بھی دے تو ہم اس سے متاثر نہیں ہوں گے۔ شہ رگ کٹ جائے تو مرنے میں کچھ دیر لگتی ہے۔ جب ہم جانور ذبح کرتے ہیں تو اس کی شہ رگ کاٹتے ہیں، شہ رگ کٹ بھی جائے تو اس کو مرنے میں پھر بھی وقت لگتا ہے۔ بکرا تڑپتا تڑپتا ٹھنڈا ہوتا ہے۔ یہ شہ رگ کا کٹنا ہے۔ دوسری طرف جان ہے۔ کبھی ایسا بھی سنا کہ جان نکلے تو بندہ اُس کے بعد ایک سیکنڈ بھی زندہ رہے یا تڑپے؟ جان نکل جائے تو بندہ ختم ہو جاتا ہے۔ شہ رگ کٹے تو بندہ مرنے میں کچھ وقت لیتا ہے۔ جان نکل جائے تو مرنے میں کچھ وقت نہیں لگتا، اس لئے کہ جان نکلنے کا نام ہی مرنا ہے۔ جان نکل گئی تو مر گیا۔ شہ رگ کٹ گئی تو مرنے میں کچھ وقت لگا۔ فرمایا: ہم تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ کتنا قریب ہیں؟ آگے ذکر نہیں کیا، وہ چھوڑ دیا اور جب محبوب کا ذکر کیا تو فرمایا: میرا محبوب تمہاری جانوں سے بھی زیادہ قریب ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ جس طرح جان نکل جائے تو تم زندہ نہیں رہتے، زندہ رہنے کا امکان ہی نہیں رہتا، اس طرح میرے محبوب سے دور ہو گئے یا اُن کی رحمت سے محروم ہو گئے تو ساری کائنات ہی زندہ نہیں رہے گی۔ اس لئے کہ ساری کائنات میں زندگی کا ہونا بھی میرے محبوب ﷺ کے سبب سے ہے۔۔۔ مومن کے ایمان کی زندگی میرے محبوب ﷺ کی وجہ سے ہے۔۔۔ جس طرح جان نکلے تو وقت نہیں لگتا اسی طرح میرا محبوب ﷺ تمہاری جانوں سے بھی زیادہ قریب ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ گویا جان حضور ﷺ کے اردگرد ہی گھومتی ہے اور ایمان آقا ﷺ کے اردگرد ہی گھومتا ہے۔

حضور کی رحمت، قربت اور عنایت کے بغیر نہ جان ہے اور نہ مومن کا ایمان ہے۔ یہ قربت و رحمت النّبیُّ کی ذات کی شان ہے۔ لوگ تو ایسے ہی مناظروں میں الجھے رہتے ہیں۔ یہاں، وہاں چنیں، چناں کا تذکرہ ہی نہیں بلکہ واضح انداز میں فرمادیا کہ نبی تمہاری جانوں سے زیادہ قریب بھی ہیں، محبوب بھی ہیں اور عزیز بھی ہیں۔

حضور ﷺ مومن کے ساتھ ہیں!

حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ آقا علیہ السلام نے فرمایا:

أَنَا أَوْلَى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهِ.

(مسلم، الصحيح، كتاب الجمعة، بَابُ التَّغْلِيظِ فِي تَرْكِ الْجُمُعَةِ، ۲: ۵۹۲، رقم: ۸۶۷)

''میں ہر مومن کی جان سے زیادہ قریب ہوں''۔

ایک اور مقام پر آقا علیہ السلام نے فرمایا:

مَا مِنْ مُؤْمِنٍ إِلَّا وَأَنَا أَوْلَى بِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.

(صحيح بخاری، بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى مَنْ تَرَكَ دَيْنًا، ۲: ۸۴۵، رقم: ۲۲۶۹)

’’کوئی مومن نہ ہے اور نہ ہوسکتا ہے مگر یہ کہ میں دنیا اور آخرت میں اس کے زیادہ قریب تر ہوں‘‘۔

آیت مبارکہ میں مِنْ اَنْفُسِهِمْ فرمایا اور پہلی حدیث میں مِنْ نَفْسِهِ فرمایا جبکہ اب لفظ أَنْفُسُ نہیں بلکہ فرمایا:

أَنَا أَوْلَى بِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.

دنیا میں بھی میں اُس مومن کے قریب تر ہوں اور آخرت میں بھی قریب تر ہوں۔ یعنی جس کے قریب میں نہیں ہوں وہ مومن ہو ہی نہیں ہوسکتا۔

یہاں سے عقیدہ کی ایک فرع واضح ہوگئی کہ بعض لوگ پوچھنا چاہتے ہیں کہ حضور ﷺ کہاں ہیں اور کہاں نہیں ہیں؟ اور کتنا قریب ہیں کتنا نہیں ہیں؟ سن لیں! جو مومن ہیں اور جہاں بھی ہیں، حضور ﷺ اُن کے ساتھ ہیں اور جو مومن نہیں، وہ بے شک جتنا بھی سمجھ لے کہ حضور ﷺ یہاں ہیں اور یہاں نہیں، حضور ﷺ اس کے قریب ہیں ہی نہیں۔ اُس کا حق ہے وہ جو چاہے کہتا پھرے، اُس کے لیے کھلی چھٹی ہے۔ اس لئے کہ جو مومن ہے وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضور ﷺ یہاں ہیں اور وہاں نہیں یا وہاں ہیں اور یہاں نہیں۔ آقا علیہ السلام نے وہاں یہاں کے فرق کو ختم کر دیا۔ فرمادیا:

أَنَا أَوْلَى بِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.

یہاں بھی میں ساتھ ہوں اور آخرت میں بھی ساتھ ہوں۔ یہ رحمۃ للعالمین کا مطلب اور حضور ﷺ کی رحمت کا اظہار ہے۔

رحمت اور عذاب ایک جگہ اکٹھے نہیں ہوسکتے

حضور ﷺ نفسِ رحمت ہیں۔ آیئے اس کی ایک اور تائید قرآن مجید سے حاصل کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے ایک بڑی نفیس بات فرمائی۔ قرآن کی ہر بات نفیس ہے مگر قرآن مجید کا یہ نکتہ سمجھنے والا ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ اللهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ. (الأنفال، ۸: ۳۳)

’’اور (درحقیقت بات یہ ہے کہ) اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان پر عذاب فرمائے درآنحالیکہ (اے حبیبِ مکرّم!) آپ بھی ان میں (موجود) ہوں، اور نہ ہی اللہ ایسی حالت میں ان پر عذاب فرمانے والا ہے کہ وہ (اس سے) مغفرت طلب کر رہے ہوں‘‘۔

اللہ رب العزت نے فرمایا: لوگو! دوصورتیں ایسی ہیں اُن دو میں سے کوئی ایک چیز ہو جائے تو میرا عذاب وہاں نہیں ہوتا، عذاب اٹھ جاتا ہے۔ اور یہ یاد رکھ لیں کہ اگر رحمت ہوتو وہاں عذاب نہیں ہوگا۔ عذاب ہوتو وہاں رحمت نہیں ہوگی۔ دو میں سے ایک شے ہوسکتی ہے۔ اگر اللہ نے فیصلہ کرلیا کہ یہاں عذاب ہوگا تو اس کا مطلب ہے وہاں رحمت اٹھ گئی۔ اگر رحمت آ گئی تو عذاب اٹھ جائے گا۔ عذاب اور رحمت اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ اس مفہوم کو سمجھ لینے کے بعد اب آیت کریمہ کی طرف توجہ کریں۔ فرمایا:

وَمَا كَانَ اللهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ.

یعنی اللہ تعالیٰ کی یہ شان اور طریقہ ہی نہیں ہے، اسے زیب ہی نہیں دیتا، اس کا یہ منشا ہی نہیں ہے کہ جن لوگوں میں آپ ﷺ بھی ہوں اور وہاں اللہ کا عذاب بھی آئے۔ اس لئے کہ عذاب رحمت کا متضاد ہے۔ رحمت ہوگی تو عذاب اٹھ جائے گا اور اگر عذاب آئے گا تو رحمت اٹھالی جائے گی۔ عذاب کے بالمقابل حضور ﷺ کی ذات کا ذکر کر کے اللہ رب العزت نے اعلان فرما دیا: میرے محبوب ﷺ! میری رحمت آپ ﷺ کا وجود ہے۔ اگر آپ ﷺ ان میں موجود ہوں تو میں (اللہ) عذاب نہیں کرتا۔

حضور ﷺ کفار و مشرکین کیلئے بھی رحمت

اسی آیت میں اگلا جملہ فرمایا:

وَمَا كَانَ اللهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ.

’’اور نہ ہی اللہ ایسی حالت میں ان پر عذاب فرمانے والا ہے کہ وہ (اس سے) مغفرت طلب کر رہے ہوں‘‘۔

صحیح بخاری کتاب التفسیر میں اس آیت کا شان نزول مذکور ہے کہ کفار و مشرکین مکہ بالخصوص ابوجہل نے یہ کہا کہ اے اللہ! اگر تیرے رسول جو بات کہتے ہیں سچ ہے اور ہم جھوٹے ہیں تو ہم پر پتھروں کی بارش فرما، آسمان سے عذاب نازل کر یا کوئی دردناک عذاب اتار دے۔ ابوجہل کے اس کہنے کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الانفال)

یعنی میرا محبوب تمہارے اندر نہ ہوتا تو تمہیں خبر لگ جاتی۔ میری یہ شان نہیں ہے، میری رحمت اور میری محبت کی غیرت گوارہ نہیں کرتی کہ میرا محبوب ﷺ جو سراپا رحمت ہے وہ بھی تم میں رہے اور وہاں عذاب بھی اتاروں۔ لہذا پہلی امتوں پر انبیاء کے ہوتے ہوئے جو عذاب اترتے تھے کہ پتھروں کی بارش ہوتی، چہرے مسخ ہوجاتے، اس عذاب کو محبوب ﷺ کی خاطر اللہ نے موخر کر دیا ہے۔

آپ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔ لہذا اس جہت سے کفار و مشرکین کے لیے بھی رحمت ہو گئے کہ فوری عذاب جو اترتے تھے آقا علیہ السلام کی وجہ سے اُن منکرین سے وہ بھی موخر کر دیئے گئے۔

وجودِ مصطفیٰؐ کی برکت ہر عبادت سے بلند ہے

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں بتائیں جن کی وجہ سے اللہ عذاب اٹھا لیتا ہے:

۱۔ استغفار ۲۔ آقا علیہ السلام کا وجودِ مبارک

استغفار ہے اللہ سے معافی مانگنا اور وَاَنْتَ فِيْهِمْ. کا معنی ہے آقا سے جڑ جانا یا آقا ﷺ کا موجود ہونا یا حضور علیہ السلام کا وجودِ اقدس۔ اللہ رب العزت سے معافی مانگیں تب بھی وہ عذاب اٹھا لیتا ہے، آقا علیہ السلام موجود ہوں تب بھی وہ عذاب اٹھا لیتا ہے۔ یہ آقا ﷺ کی رحمت ہے۔ عقل، ہماری سوچیں اور مادیت زدہ عقیدے تو کہتے ہیں کہ آیت مبارکہ میں وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ کے حصے کو پہلے لایا جاتا کہ جو مجھ سے معافی مانگیں، استغفار کریں، میں ان سے عذاب اٹھا لیتا ہوں۔ اس لئے کہ استغفار مانگنا اللہ کی عبادت اور اس کا ذکر ہے۔ آیت کا دوسرا حصہ جس میں فرمایا کہ جن میں آپ ﷺ موجود ہوں اُن سے بھی عذاب اٹھا لیتا ہوں، اس حصہٗ آیت کو بعد میں بیان کیا جاتا۔

اللہ نے یہ ترتیب نہیں رکھی بلکہ حضور ﷺ کے وجود کے باعث جو عذاب اٹھتا ہے اُس کا ذکر پہلے کیا اور اپنی بارگاہ میں استغفار کرنے والوں سے عذاب کے اٹھنے کا ذکر بعد میں کیا۔ یوں نہیں فرمایا کہ جو مجھ سے استغفار مانگتے، اُن سے عذاب اٹھا لیتا ہوں اور جن میں آپ ﷺ موجود ہوں اُن سے بھی عذاب اٹھا لیتا ہوں۔ بلکہ فرمایا: محبوب ﷺ! آپ جہاں موجود ہوں وہاں سے عذاب اٹھا لیتا ہوں اور جو مجھ سے معافی مانگے اُن سے بھی عذاب اٹھا لیتا ہوں۔

آیت میں استغفار کو بعد میں رکھا اور وجودِ مصطفیٰ ﷺ کو پہلے رکھا۔ معلوم ہوا آقا علیہ السلام کے وجود کی برکت ہر عبادت ہر عمل، استغفار اور رکوع و سجود سے بلند ہے۔ ہر عمل و عبادت جس سے اللہ کی رحمت ملتی اور عذاب اٹھتا ہے اس سے کہیں مقدم حضور ﷺ کا وجود ہے۔ حضور ﷺ کا وجود نماز سے بھی مقدم ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک صحابی نماز پڑھ رہے تھے، آپ ﷺ کو کسی کام کے لیے ضرورت پڑی تو آپ ﷺ نے انہیں آواز دے کر بلایا۔ ایک روایت یوں بھی ہے کہ آقا علیہ السلام ان کے پاس سے گزرے (یعنی دیکھا کہ نماز پڑھ رہا ہے) اور پھر اس کو دوران نماز آواز دی۔ انہوں نے جواب نہ دیا اور نماز سے فارغ ہوکر حاضر ہوئے۔ پوچھا: کیا کر رہے تھے، فوری لبیک نہیں کہا؟ عرض کیا: نماز پڑھ رہا تھا، فارغ ہوتے ہی حاضر ہو گیا ہوں۔ فرمایا: تم نے اللہ کا حکم نہیں سنا کہ اللہ اور اُس کا رسول جب بلائیں جواب دیا کرو۔ ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کے بلانے پر لبیک کہنا نماز سے بھی مقدم ہے۔ (جاری ہے)

الفقہ

آپ کے فقہی مسائل

مفتی عبدالقیوم خاں ہزاروی

سوال: کیا عبادت گاہ بنانے کے لیے غیر مسلم کو مکان کرائے پر دینا جائز ہے؟

جواب: اگر آپ کو معلوم ہے کہ جو شخص آپ سے مکان کرائے پر لے رہا ہے وہ وہاں صنم کدہ بنانے کا ارادہ رکھتا ہے اور مکان میں شرکیہ امور سرانجام دیے جائیں گے تو بہتر ہے اسے مکان نہ دیا جائے۔ کیونکہ یہ برائی کے کام میں تعاون کے مترادف ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (المائدة: ۲)

’’نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو‘‘۔

اس کے برعکس اگر ایسا غیر مسلم جو اہلِ اسلام سے حالتِ جنگ میں نہ ہو، اسے رہائش کے لیے مکان کرائے پر دیا جاسکتا ہے۔ رہائش اختیار کرنے کے بعد اگر غیر مسلم وہاں کوئی غیر شرعی کام کرتا ہے تو مالکِ مکان کو کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ فقہ حنفی کے عالی مرتبت امام شمس الدین سرخسی فرماتے ہیں:

’’مسلمان کے ذمی کو مکان رہائش کے لیے دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، پھر اگر وہ اس میں شراب پیئے، صلیب کی پرستش کرے یا سور داخل کرے تو مسلمان کو اس کا کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ مسلمان نے مکان اس مقصد کے لیے نہیں دیا۔ یہ عمل کرایہ دار کا ہے جس میں مالکِ مکان کا ارادہ شامل نہیں اس لیے وہ گناہگار نہیں ہے‘‘۔

(سرخسی، المبسوط، 16: 39)

اس مسئلے پر امام مرغینانی نے اپنی رائے دیتے ہوئے فرمایا ہے:

و من آجر بيتاً ليتخذ فيه بيت بار او كنيسة او بيعة او يباع فيه الخمر بالسواد فلا باس به.

اگر کوئی مکان کرایہ پر دے اور کرایہ دار اس میں بت خانہ، کلیسا یا شراب خانہ بنالے تو اس مکان دینے والے پر گناہ نہیں ہے۔ (مرغینانی، الہدایہ، ۴: ۱۳۰)

لہٰذا غیر مسلم کو رہائش کے لیے مکان کرایہ پر دینا جائز ہے، لیکن کسی غیر شرعی، کفریہ اور شرکیہ مقصد کے لیے مکان، دکان اور پلاٹ وغیرہ دینا جائز نہیں۔

سوال: طلاق کو نماز کی عدم ادائیگی کے ساتھ مشروط کرنا کیسا ہے؟

جواب: اگر زید نے بیوی سے کہا کہ ’اگر نماز نہیں پڑھے گی تو تجھے طلاق یا تین طلاق‘ اور بیوی نے نماز پڑھ لی تو طلاق واقع نہیں ہوئی۔ آئندہ ان لوگوں کو احتیاط کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام اور حدود کا اس طرح مذاق اڑانا ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔

اگر زید نے وقت کی قید لگاتے ہوئے بیوی سے کہا کہ ’اگر ابھی نماز نہیں پڑھے گی تو تجھے طلاق یا تین طلاق‘ یا کہا ’اگر اتنے وقت کے اندر نماز نہیں پڑھے گی تو تجھے طلاق یا تین طلاق‘ اور بیوی نے اُسی وقت یا وقت کے اندر نماز

نہیں پڑھی تو طلاق واقع ہوگئی۔ کیونکہ زید نے طلاق کو وقت کی شرط کے ساتھ مشروط کیا تھا اور شرط کے پائے جانے پر مشروط واقع ہوگیا۔ امام مرغینانی فرماتے ہیں:

و اذا اضافة الیٰ شرط وقع عقیب الشرط. (مرغینانی، الہدایہ، 1: 251)

جب خاوند نے طلاق کو شرط سے مشروط کیا اور شرط پائی گئی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

لہٰذا زید نے اگر طلاق کو نماز کی عدم ادائیگی کے ساتھ مشروط کیا اور بیوی نے نماز ادا کر لی تو طلاق واقع نہیں ہوئی۔

سوال: ملکی و غیرملکی بینکوں کے سودی قرضے لوٹانے کے لیے حکومت کا عوام پر ٹیکس لگانا کیسا ہے؟

جواب: اسلامی معیشت ایک متوازن و مفرح طرز حیات ہے۔ یہ ایک ایسا منظّم لائحہ عمل ہے جس میں حقوق و فرائض کا حسین امتزاج کارفرما ہے۔ معقول اور منصفانہ ٹیکسوں کا نظام بھی اسلامی معیشت کا ایک تعمیری پہلو ہے۔ زکوٰۃ اور عشر کے علاوہ اسلام میں حکومت کے ٹیکسز کو چند شرائط کے ساتھ مشروط کیا ہے، جیسے:

1۔ اسلامی ریاست کی تعمیر کے لیے ضرورت ہو۔
2۔ ٹیکس بقدرضرورت لگایا جائے۔
3۔ مصرف صحیح ہو۔ 4۔ تعیین وتشخیص صحیح ہو۔

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے یا کسی اور نے نبی اکرم ﷺ سے زکوٰۃ کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

ان فی المال لحقا سوی الزکاة.

(ترمذی، السنن، 3: 48، رقم: 659)

''مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے''۔

درج بالا حدیثِ مبارکہ سے واضح ہے کہ عمرانی معاہدے کے مطابق ریاستی نظام برقرار رکھنے، دفاع اور دیگر امور سلطنت پر اٹھنے والے اخراجات پورے کرنے کے لیے منصفانہ ٹیکس لگانا جائز ہے۔ لیکن ٹیکس ظالمانہ نہیں، منصفانہ ہونا چاہیے۔

ٹیکسز کا مروجہ نظام غیر منصفانہ ہے۔ انکم ٹیکس کے علاوہ تمام بالواسطہ ٹیکسز ہر امیر و غریب پر لگائے جاتے ہیں اور انکم ٹیکس میں اگر چہ آمدنی تو ملحوظ ہوتی ہے مگر اس شخص کے مصارف ملحوظ نہیں رکھے جاتے۔ اسی طرح جائیداد ٹیکس ہر صاحب جائیداد سے بہرحال لازما وصول کیا جاتا ہے، اگرچہ اس کا ذریعہ آمدن کچھ بھی نہ ہو۔ ٹیکس کی تشخیص کا یہ طریقہ صریح ظلم اور حرام ہے۔

اسی طرح ریاستی فلاح و بہبود کے نام پر حکمران غیرملکی بینکوں سے قرضے لیتے ہیں اور انہیں سود سمیت واپس کرنے کے لیے عوام پر ٹیکس عائد کرتے ہیں جو سراسر ظلم اور ناجائز ہے۔ ایسی صورتحال میں عام آدمی کو ایسے ظالمانہ طرزِ حکومت کی تبدیلی کی کوششوں میں شامل ہونا چاہیے۔

سوال: جن دواؤں میں نشہ آور اشیاء شامل ہوں ان کے استعمال کا کیا حکم ہے؟

جواب: کسی بھی قانون کا مطالعہ کیا جائے تو اس میں حالات واقعات کے پیش نظر کچھ مستثنیات (Exemptions) ہوتی ہیں جن کی بناء پر مخصوص حالات میں قانون کا اطلاق نہیں ہوتا اسی طرح شریعتِ اسلامیہ میں بھی شرعی اعذار (Excuses) کی بنیاد پر حکمِ شرعی اٹھا لیا جاتا ہے۔ جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے سود، خنزیر کا گوشت، مردار اور خون وغیرہ کو قطعی حرام قرار دیا اور ساتھ ہی جان بچانے کی خاطر کھا لینے کی رخصت بھی عنایت فرمائی۔ ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.

(البقرہ، ۲: ۱۷۳)

''اس نے تم پر صرف مردار اور خون اور سؤر کا

گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو حرام کیا ہے، پھر جو شخص سخت مجبور ہو جائے نہ تو نافرمانی کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر (زندگی بچانے کی حد تک کھا لینے میں) کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے۔‘‘

☆ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ عکل یا عرینہ سے آئے ہوئے کچھ لوگوں کو مدینہ منورہ کی آب وہوا موافق نہ آئی تو بیمار ہو گئے، حضور ﷺ نے ان کے علاج کے لئے اونٹوں کا بول تجویز کیا۔ وہ اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیتے رہے یہاں تک کہ ان کے بدن درست ہوگئے۔

(بخاری، الصحیح، 5: 2153، رقم: 5362)

☆ مردوں پر سونا حرام ہے لیکن حالت مجبوری میں حضور ﷺ نے اپنے ایک صحابی کو سونے کی ناک لگوانے کا حکم فرمایا:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ طَرَفَةَ رضی الله عنه اَنَّ جَدَّهُ عَرْفَجَةَ بْنَ اَسْعَدَ قُطِعَ اَنْفُهُ يَوْمَ الْكُلَابِ فَاتَّخَذَ اَنْفًا مِنْ وَرِقٍ فَاَنْتَنَ عَلَيْهِ فَاَمَرَهُ النَّبِی صلیٰ الله علیه وآله وسلم فَاتَّخَذَ اَنْفًا مِنْ ذَهَبٍ.

’’حضرت عبدالرحمٰن بن طرفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے دادا جان حضرت عرفجہ بن اسعد رضی اللہ عنہ کی ناک کلاب کے روز کاٹ دی گئی۔ تو انہوں نے چاندی کی ناک لگوا لی تو اس سے بدبو آنے لگی۔ چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں حکم دیا تو انہوں نے سونے کی ناک لگوا لی۔‘‘

(ابی داؤد، السنن، 4: 92، رقم: 4232)

☆ اسی طرح بیماری کی وجہ سے مردوں کو ریشم پہننے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی:

عَنْ قَتَادَةَ اَنَّ اَنَسًا حَدَّثَهُمْ اَنَّ النَّبِيَّ صلیٰ الله علیه وآله وسلم رَخَّصَ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ وَالزُّبَيْرِ فِي قَمِيصٍ مِنْ حَرِيرٍ مِنْ حِكَّةٍ كَانَتْ بِهِمَا.

’’حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو ریشمی قمیص پہننے کی اجازت مرحمت فرما دی تھی کیونکہ ان دونوں حضرات کے جسم پر خارش تھی۔‘‘

(بخاری، الصحیح، 3: 1069، رقم: 2762)

فقہاء کرام نے ایک قاعدہ بیان کیا ہے:

الضرورات تبیح المحظورات

’’ضرورتیں ممنوعات کو جائز کر دیتی ہیں۔‘‘

(ابن ھمام، شرح فتح القدیر، 4: 348)

☆ فقہاء کرام فرماتے ہیں:

یجوز للعلیل شرب الدم والبول واکل المیتة للتداوی اذا اخبره طبیب مسلم ان شفاء فیه ولم یجد من المباح ما یقوم مقامه.

’’اگر ایک مسلمان ڈاکٹر کی رائے میں خون، پیشاب اور مردار کو کھانے سے کسی مریض کو شفاء مل سکتی ہو اور ان کے متبادل کوئی حلال چیز (بطور دواء) بھی نہ ہو تو ان چیزوں کا کھانا جائز ہے۔‘‘ (الفتاوی الھندیة 5: 355)

(ابن عابدین شامی، رد المحتار، 5: 228)

مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ جب کسی حلال شے سے علاج ممکن نہ ہو تو مستند ڈاکٹر کے مشورہ سے ایسی ادویات بھی استعمال کی جا سکتی ہیں جن میں حرام اشیاء ملی ہوئی ہوں۔ لہٰذا کوالیفائیڈ ڈاکٹر یا مستند حکیم کی تجویز سے افیون، الکوحل یا دیگر نشہ آور اشیاء حالت مجبوری میں بطور دواء استعمال کرنا جائز ہیں۔

❁❁❁❁❁

کردارِ مسلم کی بنیادی علامات اور چند تشخصات

ڈاکٹر نعیم انور نعمانی☆

مسلمان کون ہے؟ کردارِ مسلم کیا ہونا چاہئے؟ کیا آج ہم سیرت و کردار میں مسلمان کہلانے کے حقدار ہیں؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے جوابات جاننے کے لئے ہمیں کردارِ مسلم کی بنیادی علامات اور مسلمانوں کے اہم تشخصات کو جاننا ہوگا۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ''مسلمان'' کی علامت کا ذکر کچھ یوں فرمایا:

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ.

''ہاں، جس نے اپنا چہرہ اللہ کے لیے جھکا دیا (یعنی خود کو اللہ کے سپرد کر دیا) اور وہ صاحبِ احسان ہوگیا تو اس کے لیے اس کا اجر اس کے رب کے ہاں ہے اور ایسے لوگوں پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے''۔ (البقرہ،۲:۱۱۲)

یہ آیت کریمہ واضح کرتی ہے کہ مسلمان وہ ہے جو خود کو اللہ کے حضور جھکادے۔ اللہ کے حضور جھکانا یہ ہے کہ انسان کے وجود سے صادر ہونے والے ہر فعل، قول، خلق و عادت، رویہ و طریقہ، طرزِ عمل اور طرزِ گفتگو میں اللہ کا رنگ نظر آئے، یعنی انسان اخلاقِ الٰہیہ اور اخلاقِ رسول ﷺ سے متصف نظر آئے۔

اسی لئے باری تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایسی ہستیوں سے متعارف کراتا ہے جنہوں نے خود کو اس کے حضور، مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰه. کے مصداق جھکایا اور مسلمان کا اعزاز پانے والوں میں سے ہوگئے۔ اس وجودِ مسلم کا تعارف کراتے ہوئے سورہ آل عمران میں ارشاد فرمایا:

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا. (آل عمران:۶۷)

''ابراہیم (علیہ السلام) نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی وہ ہر باطل سے جدا رہنے والے (سچے) مسلمان تھے''۔

باری تعالیٰ اس آیت کریمہ میں ایک مسلمان کا تعارف کروا رہا ہے کہ مسلمان ہمیشہ باطل سے جدا اور حق سے وابستہ ہونے والا ہوتا ہے۔۔۔ مسلمان وہ ہے جو شرک کو چھوڑتا ہے اور توحید پر خود کو قائم کرتا ہے۔۔۔ مسلمان وہ ہے جو جھوٹ سے بیزار ہوتا ہے اور سچ کا دلدادہ ہوتا ہے۔۔۔ مسلمان وہ ہے جو پیکر اطاعت ہوتا ہے۔۔۔ اس کا وجود شر نہیں بلکہ خیر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے حضور جھک جانے کے باعث اس کے وجود کا نام ہم نے قرآن میں مسلمان رکھا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا. (الحج،۲۲:۷۸)

''اس (اللہ) نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے، اس سے پہلے (کی کتابوں میں) بھی اور اس (قرآن) میں بھی''۔

مسلمان۔ قول و عملِ احسن کا پیکر

سورہ حم السجدہ میں ایک مسلمان کا سب سے بڑا تعارف کراتے ہوئے قرآن بیان کرتا ہے کہ ایک مسلمان کون ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ

☆ dr.noumani@hotmail.com

وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ.

’’اور اس شخص سے زیادہ خوش گفتار کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے بے شک میں (اللہ ﷻ اور رسول ﷺ کے) فرمانبرداروں میں سے ہوں‘‘۔ (حم السجدہ، ۴۱:۳۳)

اس آیت کریمہ نے قول احسن اور عمل احسن کا نام کردارِ مسلم بتایا ہے۔ گویا جس ذات اور شخصیت میں قول احسن کی بہاریں ہیں اور جس وجود میں عمل احسن کے جلوے ہیں یقیناً یہی وہ وجود ہے جو اپنا تعارف تحدیث نعمت کے طور اننی من المسلمین سے کراتا ہے۔ یعنی میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا وفادار اور فرمانبردار ہوں۔۔۔ میری شناخت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت گزاری ہے۔۔۔ میں مسلمان اس لئے ہوں کہ میں اللہ کے حضور عبادت گزار ہوں اور میں مسلمان اس لئے ہوں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا عملدار ہوں اور ان کی سیرت و کردار کا وفا شعار ہوں۔

لفظ مسلمان کے لغوی معانی

عربی لغت میں مسلمان کا معنی کیا بیان کیا گیا ہے؟ آیئے اس پر بھی ایک نظر ڈالتے ہیں:

۱. المسلم هو مظهر للطاعة.

’’مسلمان وہ ہے جو سراپا اطاعت ہے‘‘۔

(ابن منظور، لسان العرب، مادہ مسلم ج۱۲، ص۲۹۳)

یعنی جس کا وجود اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول سے عبارت ہے۔ اس کے وجود میں اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کا رنگ نظر آتا ہے۔

۲۔ المسلم هو التام الاسلام. (ایضاً)

’’مسلمان وہ ہے جس نے خود کو اسلام میں ڈھال لیا ہے‘‘۔

یعنی جس کا وجود چلتا پھرتا اسلام ہے۔ اسلام کی تعلیمات کا عملی اظہار وجود مسلم سے ہوتا ہے۔

۳. هو مومن بها. (ایضاً)

’’مسلمان وہ ہے جو تعلیمات اسلام پر ایمان رکھتا ہے‘‘۔

یعنی اس کو یقین حاصل ہے کہ اسلام کا ہر عمل اور ہر امر و نہی اس کے نفع کے لئے ہے۔

۴. المسلم هوا لمستسلم لامر الله. (ایضاً)

’’مسلمان وہ ہے جو اللہ کے حکم کے سامنے جھک جائے‘‘۔

یعنی مسلمان وہ ہے جو اللہ کے حکم کو اپنا قول و فعل اور اخلاق و کردار بنائے۔ جو اپنے نفس امارہ کی خواہش سے اٹھنے والے حکم کو ترک کرے اور اس کے بجائے اللہ کے حکم کے سامنے سرتسلیم خم کردے۔

۵. المسلم هو المخلص لله العبادة. (ایضاً)

’’مسلمان وہ ہے جو عبادت کو اللہ ہی کے لئے خالص کرلے‘‘۔

یعنی مسلمان وہ ہے جو ایاک نعبد کا پیکر بن جائے، جو صرف اور صرف اللہ ہی کی عبادت کرے۔ اس کے وجود سے عبادتِ غیر کی ہر صورت کا خاتمہ ہوجائے۔ عبادت میں اس بندے کا اخلاص بڑھتے بڑھتے اس کو ایسا کردے کہ اس کا ہر کام اللہ کی رضا وخوشنودی کے لئے ہو۔

لفظ کافر کا مفہوم

۱۔ لفظ اسلام کے مد مقابل لفظ کفر بولا جاتا ہے جس کا معنی چھپانا اور ڈھانپنا ہے۔

(ابوبکر رازی، مختار الصحاح، مادہ کفر، ج۱، ص۲۳۹)

۲۔ کافر کو کافر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ایمان کو دل میں چھپالیتا ہے اور زبان و دل سے اس کا اظہار نہیں کرتا۔ اسی معنی کو ائمہ عقیدہ امام ابوالحسن اشعری، ابومنصور ماتریدی اور علامہ تفتازانی نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

الكفر هي الجحد والانكار.

’’کفر کا معنی سخت اور کھلا انکار ہے‘‘۔

(اشعری، مقالات اسلامین، ص۱۴۰)

(تفتازانی، شرح المقاصد فی علم الکلام، ج۲، ص۲۶۸)

۳۔ کافر کو کافر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اسلام کی ہر ہر حقانیت وصداقت پر مبنی شہادت اور حقیقت کو چھپاتا

چلا جاتا ہے اور ہر ہر موقع پر تکذیب توحید الٰہی اور تکذیب نبوت و رسالت کا عمل دھراتا چلا جاتا ہے، اس لئے کافر ٹھہرتا ہے۔ اسی بناء پر امام ابن نجیم کہتے ہیں:

الکفر لغة الستر وشرعا تکذیب محمد ﷺ فی شئی مما یثبت عنه ادعاده ضرورة.

(ابن نجیم، البحرالرائق شرح کنزالدقائق، ج۵، ص۱۲۹)

''لغۃ کفر کا معنی چھپانا ہے اور شرعاً حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے بحیثیت اللہ کے رسول جو چیز بطور دعوئ اسلام اور ضرورت اسلام ثابت ہو اس کا انکار کرنا کفر ہے''۔

اس ضمن میں جمہور اہل اسلام کا یہ موقف بھی اپنے پیش نظر رکھیں کہ اصولاً کفر کا تعلق اعتقاد و عقیدہ سے ہے۔ اگر کوئی شخص عقیدہ میں کافر نہیں اور اپنے عمل فی الاسلام میں تساہل کا طرز عمل رکھتا ہے تو اس بنا پر اس کو کافر نہیں قرار دیا جاسکتا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج۱۷، ص۳۴)

کردار مسلم کی علامات

آیئے اب ہم کردار مسلم کی کچھ علامات اور نشانیاں ایک مسلمان کے وجود میں تلاش کریں۔ ان علامات اور نشانیوں کا تعین ہم اپنے اپنے تصورات اور نظریات سے نہیں کرتے بلکہ ہم آقا علیہ السلام سے اس بارے رہنمائی لیتے ہیں کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ کی نگاہ میں ایک مسلمان کون ہے؟ آپ ﷺ نے اپنے متعدد فرامین میں ایک مسلم کردار کی کچھ علامات بیان کی ہیں۔ آیئے! ان احادیث مبارکہ سے علاماتِ کردارِ مسلم کا مطالعہ کرتے ہیں:

۱۔ زبان سے تمام لوگ محفوظ رہیں

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

المسلم من سلم المسلمون من لسانه دیده.

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں''۔ (بخاری، الصحیح، باب من سلم المسلمون، رقم۱۱)

اس حدیث مبارکہ کا پہلا حصہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کی زبان دوسروں کو تکلیف و اذیت نہ دے۔ اس کی زبان پر کسی کی تحقیر نہ ہو، وہ زبان فحش سے پاک ہو، وہ زبان سب وشتم سے دور ہو، وہ زبان گالی گلوچ سے محفوظ ہو، وہ زبان طعن و تشنیع سے ماوراء ہو۔ اس لئے کہ یہ زبان ہی لوگوں کے درمیان محبت اور یہی لوگوں کے درمیان نفرت پیدا کرتی ہے۔ یہ زبان جوڑتی بھی ہے اور توڑتی بھی ہے۔ یہ زبان دوست بھی بناتی ہے اور دشمن بھی بناتی ہے۔ یہ زبان ہی چھری، کانٹے، چاقو اور تلوار سے بھی زیادہ گہرا زخم لگاتی ہے۔ اسی لئے کسی عربی شاعر نے زبان کی اس خاصیت کا اظہار یوں کیا:

جراحت الاسنان لها التیام
ولا یلتام من جرح باللسان

''جو زخم چھری و تلوار سے لگایا جائے وہ بھر جاتا ہے اور جو زخم زبان سے لگایا جائے وہ نہیں بھرتا''۔

آج ہماری معاشرتی زندگی، کاروباری زندگی، گھریلو زندگی، دفتری زندگی میں عدم سکون، پریشانی و اضطراب اور نااتفاقی و بے چینی کا سب سے بڑا سبب ہماری نوک دار زبان ہے جو چھری اور تلوار سے بھی زیادہ تیز ہے۔ جو ایسا کاٹتی ہے کہ کسی کو دوستی سے ہی کاٹ دیتی ہے، کسی کو رشتے ہی سے فارغ کردیتی ہے، کسی کو دیرینہ تعلق سے محروم کردیتی ہے، کسی کی لازوال وفاؤں کو ایک لمحے میں خاکستر کردیتی ہے۔ یہ زبان بسانے پر آئے تو وفاؤں کے گلستان آباد کرتی ہے اور یہ زبان اجاڑنے پر آئے تو پھول چہروں کو مرجھا اور جھلسا دیتی ہے۔ اس زبان کی اہمیت و افادیت کو اجاگر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص مجھے اپنی زبان کی ضمانت دے دے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں''۔

اس زبان کے شر سے ہم نے دوسرے مسلمانوں کو محفوظ کرنا ہے تب ہی ہماری مسلمانی مسلّم ہوگی۔

صرف مسلمان کا مسلمان ہی کا محافظ ہونا نہیں بلکہ مسلمان ہر ایک انسان کا محافظ ہونا اسلام کی علامت ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان وہ ہے:

من سلم الناس من لسانه و یده.

(احمد بن حنبل المسند، ۲،ص ۱۸۷، رقم ۶۷۵۳)

''جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے لوگ محفوظ رہیں''۔

کردار مسلم یہ ہے کہ اس کے وجود سے صرف مسلمان نہیں بلکہ دوسرے تمام انسان بھی محفوظ رہیں۔ اس کی زبان کسی بھی انسان کی دلآزاری نہ کرے، اس کے ہاتھ کسی بھی انسان کا خون نہ بہائیں اور کسی انسان کا مال نہ لوٹیں۔ اگر یہ علامات کسی وجود میں پائی جائیں تو وہ مسلم وجود ہے اور ایک مسلم کردار کا حامل ہے۔

۲۔ ہاتھ سے دوسرے انسان محفوظ رہیں

کردار مسلم کی دوسری نشانی و علامت رسول اللہ ﷺ نے یہ بیان فرمائی کہ لوگ اس کے ہاتھ سے محفوظ رہیں۔ یعنی اس کے ہاتھ لوگوں کو شر نہ پہنچائیں، اس کے ہاتھوں سے فعل حرام سرزد نہ ہو، اس کا ہاتھ قتل و غارت میں ملوث نہ ہو، اس کا ہاتھ چوری و ڈکیتی میں مصروف نہ ہو، اس کا ہاتھ کرپشن، بدعنوانی اور حرام خوری کا خوگر نہ ہو، اس کا ہاتھ دجل، فراڈ، دھوکہ دہی میں آلہ کار نہ ہو، اس کا ہاتھ ظلم وستم کرنے، وحشت و بربریت بپا کرنے میں شاغل نہ ہو، اس کا ہاتھ فتنہ وفساد، خونریزی، قتل و غارت گری اور دہشت گردی میں ملوث نہ ہو۔ گویا جس کی زبان سلامتی والی ہے اور جس کے ہاتھ سلامتی والے ہیں وہی مسلمان ہے۔ وہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا پسندیدہ اور محبوب ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

المسلم اخو المسلم لا یظلمه ولا یسلمه.

(بخاری، الصحیح، باب لا یظلم المسلم، ۲: ۸۶۲، رقم ۲۳۰۱)

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یارومددگار چھوڑتا ہے''۔

ظلم کرنا یہ ہے کہ کسی انسان کو اس کے حق سے محروم کردیا جائے۔ انسان کسی کا مال ناجائز طریقے سے ہڑپ کرلے، کسی کو اس کی جائیداد سے محروم کردے، کسی کی زمین پر قبضہ کرلے، کسی کا مال لوٹ لے۔ ہر وہ چیز ظلم ہے جو اس کا حق نہیں اور وہ اس چیز کو اس مظلوم سے اپنی قوت و طاقت اور ڈر و دہشت کی بنا پر جبراً چھین لے۔ اس دینے میں مظلوم کی مرضی شامل نہ ہو، تو یہ ظلم ہے۔ ظلم بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ ہو، اس کی ہر صورت ظلم ہے اور اسلام نے اس سے منع کیا ہے۔

۳۔ مسلمان کے مال، جان اور عزت کی حفاظت

مسلمان کا کردار سلامتی والا ہے اور ہر ظلم سے پاک ہے۔ اسی کردارِ مسلم کا تقاضا ہے کہ ہر مسلمان اپنے اندر اسلام کی یہ علامات پیدا کرے کہ وہ خود کو سراسر سلامتی والا، پرامن اور ہر ظلم سے پاک بنائے اور اس کی عملی تعبیر اپنے وجود سے یوں ظاہر کرے جسے رسول اللہ ﷺ نے یوں بیان فرمایا:

کل المسلم علی المسلم حرام دمه وماله وعرضه.

(مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة، ۴: ۱۹۸۶، الرقم ۲۵۶۴)

''ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت حرام ہے''۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی اور یہ کلمات مبارکہ اطاعت رسول ﷺ کی صورت میں اگر ہماری زندگیوں میں آجائیں، ہماری سیرت، عمل اور کردار فرمان رسول ﷺ سے روشنی پائے تو اسلامی معاشرے سے بڑا پرامن، بقائے باہمی، سلامتی و آشتی، محبت و پیار اور تحمل و رواداری والا معاشرہ کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ آج کردار مسلم کا زوال یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات ہماری زندگیوں میں اترتے ہوئے دکھائی نہیں دیتے۔ ہم نام کے تو مسلمان ہیں مگر عمل میں اسلام نظر نہیں آتا۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کونوا عباد الله اخوانا.

(مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة، ۴/ ۱۹۸۶، الرقم: ۲۵۶۴)

''اے اللہ کے بندو باہم بھائی بھائی بن جاؤ''۔

افسوس آج ہم اس فرمانِ مصطفی ﷺ کو فراموش کئے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن چکے ہیں۔

۴۔ کردار مسلم اور متفرق علامات

سوال یہ ہے کہ اخوت بین المسلمین کیسے اور کس طرح قائم ہوسکتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اس کا طریقہ بھی خود بتادیا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تحاسدوا ولا تناجشوا ولا تباغضوا ولا تدابروا ولا يبيع بعضكم على بيع بعض.

''ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے کو دھوکہ نہ دو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، اور ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو اور تم میں سے کوئی شخص دوسرے کے سودے پر اپنا سودا نہ کرے''۔

☆ مزید برآں فرمایا: مسلمان وہ ہے جو:

ولا يظلمه ولا يخذله ولا يحقره.

''نہ تو ظلم کرتا ہے، نہ اسے ذلیل کرتا ہے اور نہ اسے حقیر جانتا ہے''۔ ایک اور مقام پر فرمایا:

لا يخونه ولا يكذبه ولا يخذله.

(ترمذی، السنن، باب ماجاء فی شفقۃ المسلم، ۴/ ۳۲۵)

''مسلمان دوسرے مسلمان سے نہ خیانت کرتا ہے اور نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے اور نہ اسے ذلیل کرتا ہے''۔

آج ہم اپنے وجودوں میں اس مسلمان کو تلاش کرنا چاہتے ہیں جس کی علامات اور نشانیاں رسول اللہ ﷺ نے بیان کی ہیں۔ یہی علامات اور صفات اگر ہمارے وجودوں میں پائی جائیں تو تبھی ہم کردارِ مسلم کے حامل ہوسکتے ہیں اور اس آیہ کریمہ کے مصداق **هو سمكم المسلمين** کے اہل ہوسکتے ہیں۔

مذکورہ فرامین میں حضور نبی اکرم ﷺ نے درج ذیل امور کی جانب ہماری توجہ مبذول کروائی۔

ا۔ مسلمان دوسرے مسلمان سے حسد نہیں کرتا۔ اس لئے کہ حسد انسان میں نفرت و عداوت پیدا کرتا ہے۔ حسد انسان کی نیکیوں کو ختم کرتا ہے۔ حاسد محروم رہتا ہے۔ اس لئے اسلام حسد کے بجائے رشک کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

۲۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو دھوکہ نہ دے اور فراڈ سے مال نہ بنائے۔ اس لئے کہ دھوکے کا مال انسان کو اللہ کی نصرت اور برکت سے محروم کرتا ہے۔

۳۔ ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو۔ اس لئے کہ بغض دل کا میل ہے جو عداوت کو جنم دیتا ہے اور عداوت انسان کو اللہ کی رحمت اور فضل سے محروم کرتی ہے۔

۴۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے کسی بھی بناء پر رخ نہ موڑے یعنی قطع تعلقی نہ کرے۔ کسی کے وجود میں اگر شر ہے تو اس کے شر سے بچے لیکن اس کو حقیر جان کر اس کے وجود سے نفرت نہ کرے۔

۵۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو رسوا نہ کرے۔ ہر نفس عزت کا مستحق ہے۔ کسی بھی انسان کی تذلیل نہ کی جائے۔ کسی کو بھی رسوا نہ کیا جائے، کسی کو بے حیثیت نہ جانا جائے۔ انسان سے بحیثیت انسان پیار کیا جائے اور مسلمان کا بحیثیت مسلمان احترام کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر ایک شرابی پر حد لگوائی۔ وہ سزا کے بعد جانے لگا تو کچھ لوگوں نے اسے کہا: ''اللہ تجھے رسوا کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے یوں نہ کہو اور اس طرح کہہ کر اس پر شیطان کو مسلط نہ کرو''۔

خلاصہ کلام: یہ ہے وہ کردار مسلم جو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سکھایا کہ اگر کوئی شخص سزا یافتہ بھی ہوگیا ہے پھر بھی اس کی عزت نفس کا پاس کرو۔ اس کو بھی کسی قسم کی گالی نہ دو اور اس کو برا بھلا نہ کہو۔ کہیں ایسا نہ ہو تمہارے اس طرح کہنے سے وہ برائی پر ثابت قدم ہوجائے اور وہ اپنی توبہ و استغفار سے پھر جائے۔ تمہارے اس طرح کہنے سے اس کی عزت نفس مجروح ہوگی۔ درست ہے وہ گنہگار ہے مگر مسلمان ہے اور مسلمان قابل احترام ہے۔ وہ انسان ہے لہذا قابل تکریم ہے۔ باری تعالیٰ ہمیں ان قرآنی اور نبوی تصورات کو اپنی زندگی میں اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ❁❁❁❁

دینی امور کی انجام دہی

جدید تفہیم کی ضرورت

ذیشان احمد مصباحی/ منظر الاسلام ازہری☆

دنیا آخرت کی زندگی میں کامیابی کے لئے امتحان گاہ ہے۔ اسی دنیا کی صالح زندگی پر آخرت کی کامیابی انحصار کرتی ہے۔ اسی لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الدنیا مزرعة الآخرة (طبقات شافعیہ ۶/۳۵۶)

''دنیا آخرت کی کھیتی ہے''۔

اس تناظر میں دنیا کی تحصیل اسلام کی نظر میں صرف آخرت کی تحصیل کے لئے ہے۔ دنیاوی جدوجہد کا مقصود اگر آخرت ہے تو بالواسطہ طور پر یہ جدوجہد خالص دینی جدوجہد ہے۔ اسی طرح ہر وہ مصروفیت جس کا تعلق بظاہر دین سے ہو مگر اس کا مقصود دنیا کا حصول ہو، اس کے ذریعے، دولت، شہرت اور عزت حاصل کی جا رہی ہو تو وہ بظاہر دینی شغل ہوگا لیکن فی الواقع وہ خالص دنیوی کام کہلائے گا۔ وہ اہل دنیا کی نظر میں دینی کام ہوگا لیکن آخرت میں کھل جائے گا کہ ایسا کام دنیا کے لئے دینی تجارت تھا اور بس۔

احادیث مبارکہ میں اس طالب علوم دین کے بارے میں جس کا مقصود دنیا کا حصول ہو، یہ کہا گیا ہے کہ جب آخرت میں وہ آئے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ تمہاری جدوجہد جس مقصد کے لئے تھی وہ دنیا میں حاصل ہوگئی، اب آخرت میں تمہارے لئے کوئی حصہ نہیں ہے۔ ایسی روایتوں سے بھی مذکورہ بالا بات کی تائید ہوتی ہے۔

اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ دنیا اپنے آپ میں کوئی بری یا ناپاک شے نہیں ہے اور نہ ہی دنیوی دولت، عزت اور شہرت کا حصول اسلامی نقطہ نظر سے کوئی بری چیز ہے، اصل برائی دنیا کو مقصود بنانا ہے، کیونکہ مومن کا مقصود ہمیشہ آخرت کی زندگی ہوا کرتی ہے، دنیا اہل کفر کا مقصود و مطلوب ہے۔ اس لحاظ سے دین کی خاطر اگر کوئی دنیوی عزت و شہرت یا دولت حاصل کرتا ہے تو ایسا کرنا خالص دینی کام کہلائے گا اور بظاہر دنیاوی کام ہی کیوں نہ ہو فقط نیت کے بدلنے سے ایک ہی کام دنیاوی ہوجائے گا اور وہی کام دینی ہوجائے گا۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جہاں آخرت کے مقصود ہونے کے لحاظ سے یہ کہا گیا کہ

الدنیا سجن للمومن (حلیۃ الاولیاء، ۶/۳۸۹)

''دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے''۔

وہیں پر قرآن پاک میں یہ بھی وارد ہوا کہ

وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا. (القصص:۷۷)

''اور دنیا سے (بھی) اپنا حصہ نہ بھول''۔

مطلب یہ ہے کہ مومن کا ایک حصہ اس دنیا سے بھی وابستہ ہے اور یہ اس لئے کہ اسے اسی دنیا میں آخرت کی کھیتی کرنی ہے، اگر اسے دنیاوی زندگی کا حصہ نہیں ملا تو وہ اپنی کھیتی کو بارآور بھلا کیسے بنا سکتا ہے۔

دینی کام کے مفہوم اور دائرۂ عمل کا تعین صرف کام کرنے والے کی نیت سے کیا جاسکتا ہے۔ ہر وہ

☆ zishanmisbahi@gmail.com ☆manz786@gmail.com

کام جو دینی جذبے کے تحت کیا جائے وہ دینی کام ہے۔ دینی کام کی واحد خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اندر نیت دین کی ہوگی۔ اگر یہ خصوصیت نہ پائی جائے تو عام مشاغل دین ہی نہیں، رکوع و سجود بھی خالص دنیا داری ٹھہریں گے۔ اس خصوصیت کے بغیر نہ نماز نماز ہے اور نہ روزہ روزہ اور اگر یہ خصوصیت موجود ہو تو عام مشاغل دنیا بھی خالص دینی کام کہلائیں گے۔

اسلام کے تصورِ دین کی وسعت

یہ بات مزید وضاحت کے ساتھ اس وقت سمجھ میں آئے گی جب ہم اسلام کے تصورِ دین کو سمجھ لیں۔ اسلام کے اندر دین کا تصور بہت وسیع اور جامع ہے۔ اسلام کے مطابق دین پر عمل کرنے کے لئے ایسا بالکل ہی ضروری نہیں ہے کہ انسان صحرا نوردی اختیار کرلے اور ترک دنیا کو اپنے اوپر لازم کرلے۔ اسلام کا تصورِ دین دنیوی زندگی کے ہر پہلو کو محیط ہے۔ اسلام میں دنیوی زندگی ہی دراصل دینی زندگی ہے اگر اس کا مقصود آخرت ہو۔ اسلام دین اللہ ہے اور دین دراصل طرزِ عمل کا نام ہے۔ اب ہر وہ طرزِ عمل جس میں اللہ کی رضا جوئی کا پاس و لحاظ رکھا جائے وہ دینی طرزِ عمل ہے اور اسی طرح ہر وہ کام جس میں اللہ کی رضا جوئی کا پاس و لحاظ نہ رکھا جائے وہ دنیوی کام ہے۔

دینی کام کو مزید سمجھنے کے لئے ہمیں اسوہ رسول کریم ﷺ اور حیات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے۔ اللہ کے پیغمبر حضور نبی اکرم ﷺ اور اصحاب رسول کی زندگی میں دینی اور دنیوی کام کی کوئی تفریق نظر نہیں آتی ہے۔ وہ دنیا کے تمام جائز و درست کاروبار کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی زندگی میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ملتا کہ وہ یہ کہیں کہ فلاں فلاں کام دینی ہیں اور فلاں فلاں کام دنیوی۔ وہ دنیا کے تمام کام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور وہ تمام دنیوی مشاغل عین دینی کام ہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان کے کام کے اندر بالذات کوئی دینی حسن تھا بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی پوری زندگی کا مقصود اللہ و رسول کی اطاعت اور خوشنودی بن گیا تھا۔

آج ایک بار پھر اس بات کی ضرورت آن پڑی ہے کہ مشاغل دنیا کو دینی اور دنیوی خانوں میں تقسیم کرنے سے زیادہ ہم اس بات کی فکر کریں کہ ہم اپنی زندگی کے رخ کو صحیح سمت کیسے دیں۔ اگر ہم اپنی زندگی کو آخرت اساس (Based on Hereafter life) بنادیں تو پھر خودبخود ہمارے ہاتھوں سے ہونے والا ہر کام دینی کام بن جائے گا۔ نیتوں کا تزکیہ ضروری ہے، اگر یہ ہوگیا تو پھر ہماری ہر جدوجہد مکمل دین بن جائے گی اور ہمارا دین کی طرف بھاگنا بھی دین کے لئے ہوگا اور دنیا کی طرف بھاگنا بھی فی الواقع دین کے لئے ہوگا۔ اخلاص نیت کے بغیر امامت و خطابت دنیا داری ہے اور اخلاصِ نیت کے ساتھ سیاست و حکومت عین دین داری ہے۔

اسلام توازن کا حامل دین

قرآن کریم نے دین و دنیا کا مفہوم بیان کرتے ہوئے دونوں کے درمیان توازن کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔ نہ تو محض دینی تصور پر اس کی کامل توجہ مرکوز ہے اور نہ ہی دنیا پر اس کا مکمل دھیان۔ وہ جس قدر دین کی دعوت دیتا ہے اسی قدر دنیا سے تعلق پر بھی ابھارتا ہے۔

اسلام کا تصور دین سمجھ لینے سے دنیا کا مفہوم خود واضح ہوجاتا ہے۔ عربی لغت کے اعتبار سے دین کا مفہوم ''قرب'' ہے جبکہ قرآن کریم نے دین کا استعمال ''جزا'' اور ''بدلہ'' کے طور پر کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآن کریم نے دین کے مفہوم کا ایک وسیع تصور سورہ مائدہ میں اس اعلان کے ساتھ دیا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ

عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا.

’’آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو (بطور) دین (یعنی مکمل نظام حیات کی حیثیت سے) پسند کر لیا‘‘۔ (المائدة: ۳)

اس آیت کے وسیع تر مفہوم میں دین و دنیا کے تمام تصورات کا بیان ہے۔ اس میں عقائد، عبادات، اخلاق، شخصی اور ملکی قوانین، معاشی نظام، عمرانیات، تاریخی و سماجی اور انسانی علوم، نفسیاتی معارف، حقوق انسانی، سائنسی علوم کے مختلف اقسام، میڈیکل سائنس، تکنیکی سائنس، کمپیوٹر سائنس، وسائل زندگی مثلاً کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا استعمال اور اس سے استفادہ، ذرائع ابلاغ میں شرکت اور اس سے استفادہ غرض کہ اس آیت میں انسانی تصورات کے تمام چیزوں کو ’’دین‘‘ کا جامع لفظ استعمال کرکے شامل کرلیا گیا ہے۔ ان میں بعض احکام کا تفصیلی اور بعض کا جزوی بیان قرآن کریم نے کئی جگہوں پر خود اپنے الفاظ میں کیا ہے اور زندگی کے بعض دوسرے شعبوں کی طرف حدیث رسول نے کبھی اجمالاً اور کبھی تفصیلاً اشارہ کیا۔

قرآن میں دنیا کی مذمت کیوں کی گئی؟

یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم نے ایک درجن سے زائد مقام پر دنیا کی مذمت بیان کی ہے اور اسے لہو ولعب سے تعبیر کیا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کو سمجھنے کے لئے دین و دنیا کا مفہوم الگ الگ سمجھنا ضروری ہوگا۔

قرآن یا حدیث رسول ﷺ میں جہاں بھی دنیا کی مذمت کا بیان ہے ان تمام آیتوں اور حدیثوں میں دنیا کا غلط استعمال اور اسے آخرت پر ترجیح دینے کی وجہ سے اس کی مذمت کی گئی ہے۔ اگر ان آیتوں اور حدیثوں کو مطلق رکھا جائے تو انسان کی زندگی مشکل میں پڑ جائے گی۔ دین و دنیا میں تفریق کے حوالے سے زہد و رقائق پر لکھی گئی کتابوں میں موجود معارف کو صحیح طور پر نہ سمجھا گیا۔ ابوبکر ابن ابی دنیا کے ’’مؤلفات‘‘ اور امام غزالی کی ’’احیاء‘‘ (جس کے ابواب زہد تقریباً ابن ابی دنیا کی کتابوں سے ہی ماخوذ ہیں) کا اسی طرح غلط مفہوم اخذ کیا گیا ہے جس طرح کہ قرآن کی آیتوں سے یہ معنی سمجھ لیا گیا کہ مسلمانوں کو دنیا کی ضرورت ہی نہیں۔ پھر اگر کچھ مسلمان نئے علوم سے استفادہ کرکے آخرت سنوارنے کا ارادہ رکھتے تھے تو جاہل صوفیوں اور گندم نما جوفروشوں نے زہد کے نام پر ستیاناس کردیا۔ یہی وہ جاہلانہ تصریح اور زہد کا غلط مفہوم تھا جس نے عہد وسطی کے مسلمانوں کو نئے علوم میں مہارت حاصل کرنے سے روک دیا اور جو قوم سربراہی کا جذبہ لے کر آئی تھی وہ ذہنی غلامی کی زنجیروں میں اس قدر جکڑ گئی کہ آج در بدر ٹھوکریں اس کی زیست کا مقدر اور مغرب کی جی حضوری اس کا نقش تقدیر ہے۔

قرآن کریم نے سورہ قصص کی آیت نمبر۷۷ میں فرمایا:

وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا .

’’اللہ تعالیٰ نے جو کچھ عطا کیا ہے اس کے ذریعہ سے آخرت تلاش کیجئے اور ہاں دنیا سے بھی اپنا حصہ نظر انداز نہیں کیجئے‘‘۔

رسول کریم ﷺ نے دنیا کو آخرت کی تیاری کی جگہ کہا ہے۔ قرآن کریم نے سورہ بقرہ میں فرمایا:

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى .

’’اور (آخرت کے) سفر کا سامان کرلو بے شک سب سے بہتر زادِ راہ تقویٰ ہے‘‘۔ (البقرہ: ۱۹۷)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دنیا کا استعمال اگر آخرت کی تیاری کے لئے کیا جائے، اخلاق و آداب کی روشنی میں زندگی بسر کی جائے تو دین اور دنیا کے تصورات

میں کوئی فرق نہیں۔

اسلام زندہ روحانیت کا نام ہے

اسلام مردہ رسم پرستی نہیں بلکہ زندہ روحانیت کا نام ہے۔ اس لئے دین کے نام پر ہونے والے اعمال و اشغال میں اگر روحانیت پائی جاتی ہے تب تو وہ کام صحیح معنوں میں دینی کام ہے بصورت دیگر وہ رسم پرستی اور دین سے دور ایک غیر دینی روایت ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں اسکی درجنوں مثالیں مل سکتی ہیں۔ آج ہماری اذانیں روح بلالی سے خالی ہیں اور ہمارے فلسفے تلقین غزالی سے بے واسطہ ہیں۔ صورت حال یہ آن پڑی ہے کہ دین کو رسم بنالیا گیا ہے اور مسلمانوں کے کلچر کو اسلام سمجھ لیا گیا ہے۔ ہماری نمازیں حضور قلبی سے خالی اور محض ظاہری قوانین کی پابند ہیں۔۔۔ ہمارے روزے خصوصی افطار پارٹیوں کا وسیلہ بنتے جارہے ہیں۔۔۔ زکوٰۃ کی ادائیگی سے زیادہ مدرسوں میں اپنے نام کی تختیاں لٹکانے کی فکر ہے۔۔۔ حج ہمارے لئے بہترین ذریعۂ سیر و سیاحت بن گیا ہے۔

رسم پرستی سے صالح مقاصد کا خاتمہ

یہ تو بنیادی ارکان اسلام میں ہماری نیتوں کے فساد کی مثالیں ہیں۔ اب ان روایتوں کو دیکھئے جو اچھے مقاصد کے تحت مسلم سماج میں رائج ہوئیں پھر رسم پرستی نے ان روایتوں کو باقی رکھا اور ان کے پس پردہ جو صالح مقاصد تھے انہیں یا تو غائب کردیا یا ان کے تصور کو مدھم کردیا۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ مسلم دنیا اور خاص طور برصغیر میں دین کے نام پر ایسے ایسے کام کئے جارہے ہیں جس کا تعلق یا تو ہندوستانی تہذیب وثقافت سے ہے یا محدود ذہن کی دریافت ہے یا ناقص معلومات کا نتیجہ یا شخصیت پرستی کا ثمرہ ہے۔ اس کی درجنوں مثالیں چادر و گاگر، نیاز ونذور اور مزارات پر پھول بیچنے والوں کے طرز عمل سے اخذ کئے جاسکتے ہیں۔ وہ مزارات جنہیں ہمارے اکابر اور اسلاف نے تقرب الی اللہ کی علامت قرار دیا تھا آج پیروں فقیروں کا تجارتی مرکز بن کر رہ گیا ہے۔ وہ خانقاہیں جہاں سے صدائے حق کی بازگشت سنائی دیتی تھی اور جس کی خاموش نگاہوں نے غیر مسلموں کو بغیر کسی لق و دق کے خوش اسلوبی کے ساتھ اسلام قبول کرنے پر مجبور کردیا تھا، آج یہ خانقاہیں دین کے نام پر بے دینی، علم کے نام پر جہالت اور عمل کے بدلہ الحاد کا اڈہ بنے بیٹھے ہیں۔ یہ ایسے امور ہیں جن کا دینِ صحیح سے کچھ بھی تعلق نہیں، یہ محض ہماری رسمیں ہیں جسے ہم نے اپنی سمجھ کے مطابق دین کا درجہ دے رکھا ہے۔

☆ مثال کے طور پر مردوں کے ایصال ثواب کے لئے تیسرے، ساتویں یا چالیسویں روز قرآن خوانی اور صدقات و خیرات کی روایت پڑی۔ اب ایصال ثواب کا نام رہ گیا باقی یہ مجلسیں خویش و اقرباء کے لئے دعوت اور جشن کی پارٹیاں بن گئیں۔ فقراء پر صرف کرنے کی بات خیالی رہ گئی یہاں تو اچھے خاصے امرا ناراض ہونے لگے کہ چہلم کی دعوت میں ہمارے لئے کھانے کا صحیح اہتمام نہیں تھا۔ اس سے بڑھ کر جہالت اور رسم پرستی نے یہ گل کھلایا کہ یہ تصور عام ہوگیا کہ اگر سوئم، ہفتم یا چہلم کی مجلس نہ ہوئی یا کسی اور دن ایصال ثواب کردیا گیا تو ثواب ہی نہیں پہنچے گا۔

☆ اسی طرح مسلم معاشرے میں موقع بہ موقع دینی محافل کا انعقاد مذہبی روح کو تازہ کرنے کے لئے شروع کیا گیا تھا۔ اب یہ دینی محافل جلسہ پھر کانفرنس اور اس سے بڑھ کر تفریح کا سامان بنتی چلی گئیں۔ دین کے نام پر ہونے والے ان جلسوں اور کانفرنسوں سے دینی روح غائب ہوتی چلی گئی۔ واعظین سے لے کر منتظمین تک اور عام سامعین و حاضرین تک کے دل اصلاحِ نفس اور اصلاحِ معاشرہ کے جذبے سے خالی ہوگئے۔ جلسے ڈرامائی انداز میں ہونے لگے اور صرف اس بات کا نعرہ لگتا رہا کہ غوث کا دامن نہیں چھوڑیں گے جب کہ دامن غوث الوریٰ

کو تھامنے کے حوالے سے کوئی پرزور بات نہیں کہی گئی۔

☆ ہر کس و ناکس کی وفات پر اس کے عرس کا اہتمام۔۔۔ نماز میں شرکت سے زیادہ عرس میں شرکت کا جنون۔۔۔ ہر محلے میں ایک کمرے میں جامعہ اور دارالعلوم کے قیام کا سلسلہ۔۔۔ یہ سب غیر متعلق امور کو رسماً اور جبراً دینی امور بنانے کی مثالیں ہیں۔ افسوس اس کا نہیں ہے کہ ان امور کو بہت زیادہ اہمیت دے دی گئی بلکہ افسوس اس کا ہے کہ دین کی جو روح تھی وہ دبتی چلی گئی۔ مسلمانوں کی فلاحِ دین و دنیا کے حوالے سے جو ضروری امور تھے وہ بے اہمیت ہوکر رہ گئے اور پوری توجہ ان اضافی امور پر مرکوز ہوگئی۔ حد تو یہ ہوئی کہ یہی علامتِ سنیت اور پھر مقصودِ سنیت بن گئے۔

دینی امور میں قائم ترتیب میں تبدیلی

مذہبی ماحول میں پچھلے پچاس سالوں سے موجودہ تعطل نے دینی کام کے مفہوم کو حد سے زیادہ محدود کرکے رکھ دیا ہے۔ عام نگاہوں میں اعراس اور جلسوں کا انعقاد ہی دین کا اصل کام رہ گیا ہے۔ اس کے برعکس اسلام اور مسلمانوں کے عمومی مفاد کے لئے جدوجہد کرنا بالخصوص اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور مسلمانوں کے تحفظ کے لئے جدید ذرائع کو استعمال کرنا، یہ تمام دینی امور کے تعین کے لئے کھینچی ہوئی لکیروں سے باہر کا کام معلوم ہوتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ عصرِ حاضر میں دین کا وسیع تصور بہت محدود ہوکر رہ گیا ہے۔ اسی طرح دینی امور میں قائم ترتیب بھی اکثر بدلی ہوئی معلوم ہوتی ہے اس کی بہت سی مثالیں ہیں:

۱۔ علوم وفنون کی ایک قسم تو وہ ہے جس کا تعلق براہ راست احکام شریعت مثلاً نماز و روزہ کے احکام سے ہے جبکہ دوسری قسم موجودہ زندگی کے لازمہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسلام کے تصور دین میں چونکہ بشرط ایمان و اخلاص تمام کاروبارِ جہاں شامل ہے۔ اس طرح تمام معاصر علوم کا تعلق دین اور اقامت دین سے ہے، خواہ براہ راست ہو خواہ بالواسطہ۔ مگر موجودہ عہد میں علوم کو دینی اور عصری میں تقسیم کرکے عصری علوم کی تحصیل سے مسلمانوں میں بے نیازی پیدا کردی گئی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ اب یہ طلسم ٹوٹ رہا ہے۔ جب یہ طلسم ٹوٹ جائے گا تو مدارس کی طرح اسکولوں کی اہمیت بھی مسلم معاشرے میں مسلّم ہوجائے گی یا اسکول اور مدرسے خود ہی ایک چھت کے نیچے جمع ہوجائیں گے۔

امام غزالی کی احیاء العلوم پڑھیئے تو معلوم ہوگا کہ جس طرح دینی احکام کی تفہیم وتبلیغ کے لئے علوم قرآن و حدیث کی تحصیل ضروری ہے اسی طرح مسلمانوں کی صحت اور دیگر مسائل حیات کو حل کرنے کے لئے طب اور دوسرے ان علوم کی تحصیل بھی فرض کفایہ ہے جن کی ضرورت عام معاشرتی زندگی میں پیش آتی رہتی ہے۔

۲۔ مسلمانوں کے اجتماعی وقار کے دفاع اور شریعت کی تبلیغ و اشاعت کے لئے جدید ذرائع ابلاغ نعمت غیر مترقبہ کے طور پر سامنے آئے ہیں لیکن مسلمان ان کی دینی وعصری اہمیت کو سمجھنے سے اب تک قاصر ہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہر گلی کے نکڑ پر ایک مدرسہ اور ہر شہر اور ضلع میں کئی ایک بڑے مدارس تو قائم ہیں اور ہو رہے ہیں۔ مگر دین کے حقیقی فہم کے فروغ کے لئے جدید ذرائع ابلاغ کو منظّم طور پر استعمال نہیں کیا جارہا ہے۔ یہ سب کچھ بھی دین کے مفہوم کے گڈمڈ اور محدود ہوجانے کی وجہ سے ہے۔ یہ افسوس ناک باتیں ہمیں تصور دین کی تجدید اور دینی کام کی تفہیم جدید کی دعوت دے رہی ہیں۔

دینی امور کیا ہیں؟

برق رفتاری، سرعت، سہولت اور آسانیاں عصر حاضر کی پہچان ہے۔ دنیا کے کسی بھی گوشے میں بیٹھ کر پلک جھپکتے ہی آپ دوسرے گوشے تک اپنی آواز پہنچاسکتے ہیں۔ موبائل فون، انٹرنیٹ اور انٹرنیٹ پر پھیلے ہوئے مختلف برقی شعبے مثلاً گوگل، یوٹیوب، فیس بک اور ٹیوٹر نے دنیا کو

ترقی کے اس بام عروج پر پہنچا دیا ہے جس کا کچھ عرصہ پہلے تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ترقی کے موجودہ عہد کو (Digital Age) ڈیجیٹل ایج سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ ڈیجیٹل ایج نے زندگی کے تمام شعبے پر اپنا گہرا اثر چھوڑنے کے ساتھ ساتھ دینی کام کے مفہوم میں بھی زبردست انقلاب پیدا کیا ہے۔ پوری دنیا میں عام طور پر اور ترقی یافتہ ممالک میں خاص طور پر مطبوعہ کتابوں کا رواج اٹھتا جارہا ہے۔ مطبوعہ کتابیں بیچنے والی بڑی بڑی دکانیں اپنا زمینی کاروبار بند کرکے ڈیجیٹل ایج میں شامل ہورہی ہیں۔ اب آپ کو اکثر کتابیں ڈیجیٹل آلات میں مقید بڑی آسانی سے مل جائیں گی۔ عصر حاضر کی ان ایجادات سے استفادہ کرکے آسان سے آسان تر اسلوب میں اسلام کا پیغامِ محبت اور نظامِ اخلاق عام کرنا دینی کام کے وسیع مفہوم اور دائرہ عمل میں داخل ہے۔

آج کے ڈیجیٹل زمانہ میں دعوتی کام کو آگے بڑھانے کے لئے ذرائع ابلاغ کا استعمال کیا جائے، انٹرنیٹ کے سوشل نیٹ ورک مثلاً یوٹیوب، فیس بک، ٹیوٹر وغیرہ کا استعمال کیا جائے۔ شریعت کا بڑا معروف قاعدہ ہے کہ

مالایتم الواجب الابه فهو واجب.

"واجب کی ادائیگی کے لئے جو چیز ضروری ہے وہ بھی واجب ہوتی ہے"۔

عصر حاضر کی ایجادات اسلام کی دعوت و تبلیغ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں لہذا ان چیزوں پر خرچ کرنا نہ صرف ضروری ہے بلکہ یہ خرچ کرنا بھی دینی امور پر خرچ کرنا کہلائے گا۔

مقصودِ زندگی۔ رضائے الٰہی

قرآن کریم کی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی تمام خلقت کو کچھ نہ کچھ ذمہ داری سونپ رکھی ہے۔ نظام شمسی، نظام قمری، لیل و نہار کی گردش، ہواؤں کا چلنا، بادلوں کا گرجنا، ایک مربوط نظام اور خاص عمل کے تحت ہے۔ ہر ایک اپنے اپنے دائرہ عمل میں رہ کر اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ اطاعت ربانی میں مصروف ہے۔ دوسری طرف انسان ہے جس کی زندگی بھی عمل سے مربوط ہے۔ بغیر عمل انسان کی زندگی کا کوئی معنی نہیں۔ ایک شخص کو نبی اکرم ﷺ نے دیکھا کہ وہ تسلسل کے ساتھ نماز میں مصروف ہے اور مسجد سے باہر قدم بالکل ہی نہیں رکھتا، اس سے پوچھا کہ تمہارے نان و شبینہ کا مسئلہ کیسے حل ہوتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے بھائی نے میرے نان و شبینہ کی ذمہ داری لے رکھی ہے اور میں نے اپنا پورا وقت عبادت الٰہی میں گزارنے کا فیصلہ کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے کہا: جاؤ کام کاج کرو، تمہارا بھائی تم سے زیادہ عبادت گزار ہے۔

اس فرمان نبوی سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کا عمل، کام کاج جو کچھ بھی ہو اس کی خصوصیت رضائے الٰہی اور تقرب الی اللہ ہونا چاہئے۔ لہذا مسلمان کا ہر عمل تقرب الی اللہ کی خصوصیت سے مربوط ہونا چاہئے۔ اس اعتبار سے دین و دنیا کے کام میں تفریق کی کوئی ضرورت نہیں۔

❁❁❁❁❁

انتقالِ پُر ملال

گذشتہ ماہ محترم ڈاکٹر ممتاز الحسن باروی (وائس پرنسپل شریعہ کالج منہاج یونیورسٹی) کی والدہ محترمہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری، محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری اور جملہ مرکزی قائدین و اساتذہ کرام نے محترم ڈاکٹر صاحب سے اظہار تعزیت کیا اور مرحومہ کی مغفرت اور درجات کی بلندی کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل اور اجر عظیم عطا فرمائے۔

ادارہ کی تشکیل ۔۔ اہمیت و ضرورت

ماخوذ از افادات شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

صاحبزادہ مسکین فیض الرحمان درانی (مرکزی امیر منہاج القرآن انٹرنیشنل)

حصہ: 4

انسان فطرتی طور پر اللہ کا بندہ ہے۔ اللہ کی بندگی، اس کا فطری تقاضا ہے۔ بندگی کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی انفرادی زندگی کی طرح اجتماعی اور قومی زندگی بھی اپنے خالق و مالک کی رضا، اس کے احکام و فرامین اور قانون (divine laws) کے مطابق گزارے کیونکہ وہ اس کے نیک و بد اور اچھائی برائی کا زیادہ علم رکھنے والا ہے۔

انسان کی ہدایت کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے تین طرح کا الوہی انتظام فرمایا:

۱۔ انسان کی نظری تعلیم و تربیت کے لیے سب سے پہلے کائنات (COSMOS) کو اس طرح بنایا کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی مرضی کا ایک عملی اظہار (physical expression) بن گئی۔ انسان دیکھ رہا ہے کہ اربوں کھربوں شموس و قمور لحہ بھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی مرضی کے خلاف حرکت نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ سب کا اپنا اپنا مدار ہے، اربوں سال گزر گئے ہیں بغیر چون و چرا سب اپنے خالق و مالک کے بتائے ہوئے راستے پر رواں دواں ہیں۔ قانون الٰہی پر عمل کرنے کی وجہ سے سب شر فساد اور تباہی سے محفوظ ہیں۔

۲۔ دوسری طرف انسان کے اندر نیکی اور بدی کی پہچان کے لیے وجدانی شعور (potential nature) رکھ دیا گیا ہے۔

۳۔ یہ اہتمام بھی فرمایا کہ انبیاء، رُسل اور پیغمبروں کے ذریعے مخلوق کے بنیادی حقوق، حق و باطل اور ظلم و انصاف کو انسانوں کی قابل فہم زبان میں کھول کر بتا دیا گیا۔

اس الوہی انتظام کے باوجود بھی جو لوگ راہ راست پر نہ رہیں وُہ بلا شبہ ظالم ہیں۔ اس سہ گانہ حسنِ انتظام کے ذریعے انسان کو ایک دوسرے کے بنیادی حقوق کے احترام کا درس دیا گیا ہے۔ حکم الٰہی ہے کہ حق سب کا یکساں ادا کرنا ہے خواہ کوئی کتنا بے بس اور کمزور کیوں نہ ہو، اللہ کی نظر میں کمزور اور طاقتور سب انسان برابر ہیں۔ یہ ہی اللہ کی ہدایت ہے جو شر و فساد سے بچاتی ہے۔

انسانی بنیادی حقوق

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا میں ہر انسان کو جن بنیادی حقوق سے نوازا ہے قرآن کریم نے ان کی پوری تفصیل کو دو اشیاء کے ذکر میں بہت جامع انداز میں مذکور فرمایا ہے:

۱۔ پہلی چیز ''مستقر'' (halting place, abode) ہے۔ جس میں رہن سہن اور رہائش کے سب لوازمات اور تقاضے شامل ہیں۔

۲۔ دوسری چیز ''متاع'' (property and possesions) یعنی ایسے اموال، اسباب، سامان اور ذرائع کہ جس سے دنیا میں جینے کے دیگر تقاضے اور لوازمات پورے کیے جاتے ہیں۔

باالفاظِ دیگر مستقر سے مراد وہ تمام لوازمات ہیں جن سے رہنے سہنے، رہائش، سکونت، ملک اور ریاست کے قیام دوام کے لیے سیاسی، تمدّنی اور تہذیبی ضروریات پوری کی جاتی ہیں اور متاع میں سامانِ معیشت اور مادّی لوازمات کہ جس میں خورد و نوش، بُود و باش اور زندگی کو قائم

و دائم رکھنے کے اسباب، ذرائع اور وسائل شامل ہوتے ہیں۔ یہ ہر انسان کے وہ بنیادی حقوق ہیں جن کو کوئی دوسرا انسان جبراً غصب (userp) نہیں کر سکتا اور اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے ان حقوق کو زبردستی، مکروفریب، دھوکا اور دھونس سے کسی سے چھیننے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ پر ایمان رکھنے والے لوگ قانون الٰہی اور عدالت کے ذریعے جابر شخص یا جابر ٹولہ(mafia) کی مزاحمت کر کے اُس کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی سے روکیں گے اوراسلامی معاشرہ(Islamic society) اپنے اقدار کے ذریعے جابر کو یہ موقع نہیں دے گا کہ وہ کسی کے بنیادی حقوق کو جبرو استبداد کے ذریعے ہتھیا سکے۔

دنیا کے قدیم ادوار اور موجودہ دور کے کسی بھی ملک اور ریاست کے آئین اور دستور (constitution) میں انسان کے ان دو بنیادی حقوق؛ مستقر اور متاع کا ذکر اس جامع و مانع انداز میں درج نہیں ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے نوع انسانی کو اپنی کتابِ ہدایت میں عطا فرمائے ہیں۔ یہ دونوں قانون الٰہی کا حصہ ہیں۔ معاشرہ میں باعزت اور مستحکم زندگی گزارنے کے لیے قرآن حکیم کی یہ دو اصطلاحات مستقر اور متاع انسانی زندگی کی نشوو نما کے لیے بہت وسیع معنیٰ اور مفہوم کے حامل ہیں۔ انسان اشرف المخلوقات اور مقصود کائنات ہے، اللہ تعالیٰ نے زمین میں جو کچھ پیدا کیا وہ انسان کی فلاح و بہبود، استفادہ اور بقا کے لیے ہے اور اسی میں انسانیت کی بہتری کا سامان ہے۔ یہ انسان پر مبنی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور فرامین کی روشنی میں ان کا صحیح استعمال کرے، اور سب انسانوں کو ان حقوق سے برابر استفادہ کرنے دے، اپنے حقوق جائز طریقے سے حاصل کرے، کسی پر ظلم نہ کرے اور نہ کسی کو اپنے اوپر ظلم کرنے دے۔

شر و فساد کی وجوہات

ابتدائے آفرینش سے آج تک بنی نوع انسان کی نفسیات، مشکلات، اختلافات، تنازعات اور باہمی شر و فساد کے وجوہات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی زندگی اور معاشرہ کے سنگین مسائل کے تین مرکزی نکات؛ مستقر، متاع اور قانون الٰہی سے رُوگردانی یعنی جہالت ہیں۔ ظالم انسان اللہ تعالیٰ کی ہدایت، احکام اور فرامین سے انحراف اور رُوگردانی کر کے ان تین نکات کا انسانی زندگی کو تباہ کرنے کے لیے ناجائز استعمال کرتے ہیں۔ مستقر اور متاع وُہ بنیادی انسانی حقوق ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر انسان کو یکساں عطا کیے ہیں۔ ان کے عادلانہ استعمال (judicious utilization) کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہدایت فرماتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ہدایت، حکم اور قانون پر عمل نہیں کرتا ہے وہ شر، فساد اور تنازعہ پیدا کرتا ہے اور ظالم ہوتا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے قانون شریعت(divine law) کو توڑنے کا جرم کرتا ہے وُہ تنازعہ(conflict) پیدا کرتا ہے، جو بڑھتے بڑھتے فساد، لڑائی، جھگڑے اور جنگ و جدل کی صورت اختیار کرتا ہے اور یوں پورا معاشرہ افتراق اور انتشار کا شکار ہو کر خوف اورغم کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔

اس وقت پوری دنیا، ہر ملک اورقوم شدید خوف کا شکار ہے۔ ہر انسان کا دل غم زدہ اورخوف میں مبتلا ہے۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ دنیا کے کسی خطہ میں بھی اس وقت انسانی حقوق کے تحفظ کا وہ حقیقی جذبہ معاشرے میں موجود نہیں ہے کہ جس کا تعلق ضمیر (conscience) سے ہو۔ انسانی حقوق کی ادائیگی کے لیے فرائض کی تکمیل کا تعلق انسان کے ضمیر کی پاکیزگی، ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا شوق، جوابدہی کی فکر، انسانی شعور کی بیداری اور شدتِ احساس سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جوابدہی کے شدت احساس (vehement perception) کا تعلق ان حقوق وفرائض سے ہوتا ہے جو فرد پر اپنی ذات، سماج، نوع انسانی اور پھر اس خالق و مالک کے سلسلہ میں عائد ہوتے ہیں جو اس کے چھوٹے

بڑے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے اور اس کے ہر راز اور ظاہر و باطن سے واقف ہے۔ شدت احساس ہر انسان میں پنہاں وہ قوت محرّ کہ (driving force) ہوتی ہے جو اُس کو دوسروں کے ایتائے حقوق اور اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے مجبور کرتی ہے۔

خوف وغم کی وجوہات

خوف وغم کی وجوہات کئی طرح کی ہوتی ہیں۔ ان کی فہرست بہت طویل ہے، ظالم انسانوں، آمروں ،بے رحم بادشاہوں، حکومتی اداروں کے بے رحم رشوت خور حکّام اور عمّال کا خوف، عوام کے حقوق سے غافل عوامی نمائندگان، قانون ساز اسمبلیوں کے ان پڑھ، نا اہل، بے ہنر اور نالائق اراکین اسمبلی، حکومتی وزراء اور مشیروں کا لوگوں کے مسائل سے بے فکر ہونے کا غم، علماء سُو اور خود ساختہ مشائخ کا خوف جو اپنے پیروکاروں کا خون چوستے ہیں۔ بے جا ذہنی تصوّرات اور توہمات کی ہیبت، بڑھاپے اور موت کا خوف، عاقبت کا غم، روٹی کپڑا اور مکان کی فکر، جہالت اورنا انصافی کا ڈر، باہمی اختلافات، تنازعات اور جنگ کی وحشت، یہ سب مختلف موجباتِ خوف وغم ہیں جن کی بنیادی وجہ انسانی حقوق کی پامالی ہے۔

شومئ قسمت سے آج ہمارا وطن عزیز ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' اللہ تعالیٰ کے ودیعت کردہ انسانی بنیادی حقوق کے حوالہ سے نہ اسلامی ہے اور نہ جمہوریہ۔ یہاں کے خود ساختہ حکمران؛ اداروں کے نا اہل اور بد دیانت سربراہان، حکّام وعمّال اور اراکین اسمبلی اللہ کی کتابِ ہدایت اور علم و حکمت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اسلام کی ترویج و اشاعت اور غلبہ دین حق کی بحالی کا فریضہ سرانجام نہیں دے رہے ہیں اور وطن عزیز میں اسلام کی ترویج واشاعت اور غلبہ دین حق کے لیے کام نہیں کر رہے ہیں اور نہ ہی جمہور کے بنیادی حقوق کے تحفظ کے لیے کسی طرح کی جدو جہد کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کی سیاہ کاریوں کی وجہ سے یہ ملک نہ اسلامی ہے اور نہ ہی یہاں حقیقی معنوں میں جمہور کی حکومت ہے۔

اس کے علاوہ غاصب حکمران اپنی ناپاک حرکتوں کی وجہ سے پاکستان یعنی ''پاک لوگوں کے رہنے کا استھان'' ہونے کی حیثیت بھی اس مُلک سے چھیننے پر تُلے ہوئے ہیں اور یہاں اس تہذیب وتمدّن کو رائج کیا جا رہا ہے کہ جس کو دیکھ کر ہندو اور بے دین لوگ بھی شرم سے نظریں جھکانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ عوام انتہائی بے بسی اور لاچاری کی زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ چادر اور چار دیواری کا تقدس پامال کیا جا رہا ہے۔ رعایا اور محکوم طبقات پریشان حال ہیں۔ ہر طرف مسائل کا انبار ہے، چین وسکون عنقا اور شر وفساد عام ہے۔ ہر جگہ لڑائیاں جھگڑے فسادات اور دہشت گردی کا عالم ہے۔ حکومت فرقہ بازی اور قومی انتشار و افتراق کی سرپرستی کرتی ہے۔ فرقوں کو آپس میں لڑایا جا رہا ہے اور حکومت افرادِ وطن کے بنیادی حقوق کو معطّل کر کے ان کو ریاستی دہشت گردی کی بھینٹ چڑھا رہی ہے۔

حکمرانوں کے فرائض

اسلامی ریاست، اسلامی معاشرہ اور اسلامی حکومت کے سربراہان اور حکّام کا بنیادی فریضہ رعایا کے ہر فرد کو بنیادی حقوق کی بہرصورت فراہمی کا ہوتا ہے، حکومت کے لیے اہلیت کا معیار رعایا کی بنیادی حقوق کی حفاظت ہوتا ہے۔ یہ اسی طور پر ممکن ہے جب حکمران تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی حکومت چلانے کا فریضہ سرانجام دینے والے اُن کے خلفاء، ائمہ، اُمراء اور حکّام وعمّال کے لیے بھی علم وحکمت سے بہرہ ور ہونا لازم ہوتا ہے۔ وطن عزیز کے سربراہان مملکت اور حکومتی اداروں کے ذمہ داران، ناظمین، حکّام اور عمّال کے لیے قران حکیم میں درج متعدد آیات کریمہ میں علم وحکمت کے حصول اور تفکیر و تدبیر سے متعلق ہدایات دعوت فکر دیتے ہیں کہ وُہ اس امر کا پوری سنجیدگی سے جائزہ لیں کہ کیا ان کی علمی، فکری اور نظریاتی اہلیت اس قابل ہے کہ وہ قانون

الٰہی کی رُو سے حکومتی مناصب پر فائز ہوں؟

دنیا میں مختصر وقت گزارنے کے بعد ہر شخص نے اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنے اعمال و افعال کا جواب دینا ہے۔ حکومتی اُمراء (اُولی الامر) ہونے کی حیثیت سے دنیاوی زندگی میں بھی عوام الناس اور حاملین امانت(public) کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی اللہ جل شانہٗ اُن سے اپنی عطا کردہ ریاست اور امانت کی حفاظت کے بارے سوال کرے گا جبکہ حکومتی مناصب، عہدے اور اقتدار حاصل کرنے کے لیے ہر وقت کوشاں بعض حکومتی منصبدار اور پارٹی لیڈر عوام الناس کے سامنے اپنے جوابدہی اور محاسبہ (accountability) کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے اور جب کوئی انہیں اس جانب متوجہ کرے تو ایک عجیب مضحکہ خیز جواب یہ دیتے ہیں کہ ان کی اہلیت اور موزونیت کا فیصلہ تو ہر پانچ سال کے بعد عوام ان کا انتخاب کر کے خود کرتی ہے۔ عوام کی نظروں میں وُہ ”اہل، امین، صادق اور عادل“ ہیں جبھی تو وہ ان کو منتخب کرتے ہیں۔

حقیقت کے برعکس ان کی یہ سوچ بہت بڑی بھول ہے، درحقیقت یہ ان کی وُہ آزمائش ہے کہ جس پر پورا اترنے کے لیے اُن کو تھوڑے عرصہ کے لیے دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ لیکن ان کی بدقسمتی کہ وہ اس ”علم“ سے محروم ہیں۔ الیکشن جیتنے کے لیے جو کچھ جتن وہ کرتے ہیں اور جس ناجائز طریقے سے وہ اپنے آپ کو منتخب کراتے ہیں، اُن کا ”ضمیر“(conscience) اُن کی ہر ناجائز حرکت پر ان کو تنبیہ کرتا ہے۔ اسمبلی میں ناجائز طریقے سے جانے اور اقتدار حاصل کرنے والے اس شخص کو سمجھاتا بھی ہے؛ ملامت بھی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے پر ٹوکتا بھی ہے اور ان کو ان کے ظلم کا احساس بھی دلاتا ہے لیکن اس کے اردگرد رہنے والے شیطانی پارٹی کے لوگ چاروں طرف سے گھیر کر اُس کو ”حق“ پر ہونے کا یقین دلاتے ہیں۔

یہ وہ نازک مرحلہ ہوتا ہے کہ اس کا نفس امارّہ(dominearing self) اور فطرت بالفعل(actual nature) اُس کے نفسِ لوّامہ(accusisng self) اور فطرت سلیمہ(potential nature) کو مغلوب کر لیتا ہے۔ حرص و ہوا، طلب مسند و اقتدار اور ہوسِ زر اُس کے دیدۂ بینا پر پردہ ڈال کر اُس کو اندھا کر دیتی ہے اور وُہ ہر ناجائز اسباب و وسائل اور حرام ذرائع استعمال کر کے ناجائز انتخابی سسٹم(corrupt election system) کے ذریعے اپنے آپ کو کامیاب کراتا ہے۔ اللہ کے قانون، اس کے اقتدار اعلیٰ اور حکومت کو نہ ماننے والے لوگ اگر اس قسم کے ہتھکنڈوں کا استعمال کر کے سیاست کاری کرتے ہیں تو بات اس حد تک تو سمجھ میں آجاتی ہے کہ ایسے بے دین افراد اللہ تعالیٰ؛ اُس کے قانون اور علم و حکمت سے محروم، نا بلد اور ناواقف ہونے کی بنا پر ایسا کرتے ہیں لیکن ایک مسلم ملک کے باسی اللہ کے قوانین کو پسِ پشت ڈال کر حرام اور ناجائز طریقے سے جب ایک اسلامی ملک کے مناصب حاصل کرتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ کیا کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کے قانون، شریعت اور واضح احکام کی خلاف ورزی کی ایسی جرأت کر سکتا ہے؟

منصب داروں کی مسئولیت ایک لازمی امر ہے۔ فرمان نبی ﷺ کے مطابق ہر شخص مسئول ہے اور اُس سے اس کے ماتحت اور محکوم کے حقوق اور فرائض کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا: ”سن لو! تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیّت (زیرِ نگران، ماتحت، محکوم افراد) کے متعلق سوال کیا جائے گا۔“

مسئولیت مرتبہ کے مطابق ہوتی ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ مرتبہ اور عہدہ کے مطابق انسان سے سوال کیا جائے گا، جو شخص جتنے بڑے منصب اور مرتبہ پر فائز ہو گا اس سے اسی طرح کا سوال کیا جائے گا۔ ❁❁❁❁❁

اخلاقی اقدار کا فروغ کیونکر ممکن ہے؟

محمد یوسف منہاجین

یہ ایک حقیقت ہے کہ محض قانون کے متعارف کروانے سے کبھی کسی قوم کی اصلاح نہیں ہوسکتی جب تک اس کے ساتھ خوف خدا اور اخلاقی تربیت نہ ہو۔ ہمارے معاشرے میں اخلاقی اقدار انحطاط کا شکار ہیں۔ سکولز وکالجز میں نصابی کتب اور معلومات کے حصول پر تو تاکید کی جاتی ہے مگر طلبہ اور نوجوان نسل کی اخلاقی آبیاری کا سامان موجود نہیں۔ اخلاقی اقدار کے متعلق تعلیم تو دی جاتی ہے مگر اسے انسانی شخصیت کا جزو بنانے کے لئے کسی قسم کا کوئی بھی اہتمام نہیں کیا جاتا۔ اگر ہم اسلام کی روشن تاریخ پر ایک نظر دوڑائیں تو یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ جملہ علوم کے ائمہ نے بالعموم اور ائمہ اخلاق نے بالخصوص بچوں اور نوجوانوں کی تربیت کو اپنی کتب کا موضوع بنایا۔ صوفیاء و علماء کی مجالس میں ان اخلاقی اقدار کو انسانی شخصیت کا حصہ بنانے کے لئے باقاعدہ تربیت کا اہتمام بھی کیا جاتا تھا۔

حصولِ اخلاق کے متعلق ائمہ کرام نے کچھ ایسے عملی پیکجز پیش کئے ہیں جن کا آج ہمارے معاشرے میں فقدان ہے۔ ہمارے معاشرے میں اخلاقی اقدار کا فقدان کی وجہ یہ ہے کہ ہر طبقہ نے اپنے ذمہ واجب الادا اخلاقی فرائض کو کماحقہ پورا نہیں کیا۔ مادیت کے غلبہ کے باعث انسان کا اخلاقیات و روحانیت سے تعلق ختم ہوکر رہ گیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ائمہ اخلاق کی تعلیمات کی روشنی میں انفرادی و معاشرتی سطح پر اخلاقی اقدار کو پروان چڑھانے اور بداخلاقی کے سدباب کے لئے باقاعدہ اہتمام کیا جائے۔ زیر نظر تحریر میں اخلاق کو سنوارنے کے لئے ائمہ اخلاق کی بیان کردہ چند اُن چیزوں کو بیان کیا جارہا ہے، جنہیں بہر صورت ہمیں اپنے اور اپنے بچوں کی سیرت و کردار میں پیدا کرنا ضروری ہے۔

اخلاق کیا ہے؟

’’اخلاق‘‘ تعلیمات اسلام کا ایک اہم عنصر ہے۔ اسلام کی بنیاد اخلاق حسنہ پر ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے قرآن مجید نے فرمایا:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم. (القلم، ۶۸:۴)

’’بلاشبہ آپ ﷺ عظیم الشان اخلاق کریمہ کے حامل ہیں‘‘۔

آپ ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

انما بعثت لاتمم حسن الاخلاق.

(مالک، الموطا، کتاب حسن اخلاق، باب ماجاء فی حسن الخلق، ج۲، ص۹۰۴)

’’میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں‘‘۔

حسن اخلاق کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث پاک سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ حضرت ابوالدرداء سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

مامن شیء اثقل فی میزان المومن یوم القیامه من حسن الخلق. (جامع ترمذی، کتاب ابرالصله، باب ماجاء فی حسن الخلق، ۲:۱۲، رقم ۲۰۰۲)

’’کوئی چیز جو قیامت والے دن مومن کے حساب کے ترازو میں رکھی جائے گی، حسن اخلاق سے

زیادہ بھاری نہیں ہوگی''۔

امام غزالی اخلاق کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فالخلق عبارة عن هيئة فى النفس راسخة عنها تصدرالا فعال بسهولة ويسر من غير حاجة الى فكر وروية فان كانت الهيئة بحيث تصدر عنها الافعال الجميلة المحمودة عقلا و شرعا سميت تلك الهيئة خلقا حسنا وان كان الصادر عنها الافعال القبيحة سميت الهيئة التى هى المصدر خلقا سئيا.

''خلق نفس کی اس ہیئت راسخہ کا نام ہے جس سے تمام افعال بلاتکلیف صادر ہوں گے اگر یہ افعال عقلاً یا شرعاً عمدہ اور قابل تعریف ہوں تو اس ہیت کو خلق نیک اور اگر برے اور قابل مذمت ہوں تو اس ہیت کو خلق بد کہتے ہیں''۔

(الغزالی، احیاء العلوم الدین، ۳:۵۲)

طبائع کی اقسام

انسان کی طبائع مختلف ہوتی ہیں بعض قدرتی خوش خلق پیدا ہوتے ہیں جنہیں کسی قسم کی ریاضت و مشقت برداشت نہیں کرنی پڑتی اور بعض لوگ تعلیم و تربیت سے اپنے اندر اچھے اخلاق پیدا کرلیتے ہیں۔ ائمہ اخلاق میں سے سرفہرست نام امام ابن مسکویہ کا ہے۔ آپ اپنی کتاب تہذیب الاخلاق میں لکھتے ہیں کہ انسان کی فطرت اور اخلاق میں جو اختلافات پیدا ہوتے ہیں ان کے اسباب بیان درج ذیل ہیں:

۱۔ اختلاف کا ایک سبب مزاج کا اختلاف ہے مثلاً گرم مزاج لوگ زیادہ تر بہادر اور فیاض ہوتے ہیں۔ مزاجوں کا اختلاف بھی اخلاق پر بہت اثر انداز ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرا سبب سرزمین اور آب و ہوا کا اختلاف ہے کیونکہ ان کا اثر انسان کے اخلاق پر ہوتا ہے جس سے اخلاق متاثر ہوتے ہیں مثلاً انسان جس آب و ہوا میں رہنے کا عادی ہو اور کچھ عرصے کے لئے کہیں اور رہنا پڑ جائے تو مختلف سرزمین کے رہنے والے لوگ اپنے اخلاق سے پہچانے جاسکتے ہیں۔

۳۔ تیسری چیز جو اخلاق پر اثر انداز ہوتی ہے وہ انسان کا آبائی مذہب اور صحبت ہے جس میں انسان دن رات گزارتا ہے۔ مثلاً بہادروں میں رہنے والا بچہ بھی بہادر ہوجاتا ہے اور جن بچوں کی تربیت عورتوں اور مخنثوں کے ساتھ ہوتی ہے، ان میں زنانہ پن پیدا ہوجاتا ہے۔ اور جو لوگ بزرگ لوگوں کی مجالس اختیار کرتے ہیں، ان پر ان کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔

گویا اخلاق فطری بھی ہوتا ہے اور تعلیم و تربیت سے بھی پروان چڑھتا ہے۔ تعلیم و تربیت سے پروان چڑھنے والے اخلاق کی وضاحت کرتے ہوئے ابن مسکویہ تہذیب الاخلاق میں کہتے ہیں کہ

''انسان عادتاً بار بار اس کی مشق کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کی ذات کا حصہ بن جاتا ہے اور بعض اوقات اس کا مبداء (بنیاد) روایت وفکر بھی ہوتی ہے''۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اخلاق دو طرح کے ہیں ایک طرف وہ انسان ہیں جو فطری طور پر اچھے اخلاق کے مالک ہوتے ہیں ان کی عادت میں شروع سے ہی اچھے اخلاق شامل ہوتے ہیں اور دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جنہیں غوروفکر، ریاضت و مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ صرف وعدہ، وعید، مدح و ذم اور ترغیب و ترہیب سے اس کام کو کرسکتا ہے۔ ریاضت و مجاہدہ کے ذریعے جن کو اخلاق حسنہ کا خوگر بنانا مقصود ہو ان کے لئے ائمہ نے باقاعدہ اخلاق کے اصول مرتب کئے۔

اخلاق کے اصول

علامہ مسکویہ نے تہذیب الاخلاق اور امام غزالی نے احیاء العلوم اور اپنی دیگر کتب میں بچوں کی روح کی پاکیزگی اور تربیت کے کچھ اصول مرتب کئے

ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ اچھے کاموں پر تعریف

بچوں کے لئے یہ امر ضروری ہے کہ اگر اُن سے اچھا اور بہتر کام سرزد ہو تو اس عمدہ کام پر ان کی تعریف کریں اور اس کام کی بھی تعریف کریں جو انہوں نے کیا تاکہ وہ آئندہ بھی اس اچھے اور خیر پر مبنی کام کو کرنے کی طرف مائل رہیں۔

۲۔ حوصلہ افزائی

بچوں کی حوصلہ افزائی اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے کرنی چاہئے۔ یہ نہیں کہ کھانے، پینے اور نئے کپڑوں کی خواہش پر انہیں اچھا قرار دیا جائے۔ بچے کو سزا سے ڈرانا چاہئے اور ہر قسم کی برائی سے خوف دلانا چاہئے جو بھی ان سے ظاہر ہوں۔ یعنی برے افعال پر انہیں ڈرایا جائے تاکہ بچہ وہ عمل کرنے سے بغض آجائے۔

۳۔ کھانے پینے کے آداب

بچے کو کھانے پینے کے بنیادی اصول سکھانے چاہئیں کیونکہ یہ اس کی جسمانی صحت کے لئے ضروری ہے۔ امام ابن مسکویہ کے نزدیک خوراک بدن کے لئے دوا کی مانند ہے جو بیماریوں سے حفاظت اور بھوک سے نجات کا ذریعہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خوراک لذت کے لئے نہیں بلکہ جسم کو طاقت پہنچانے کے لئے ہونی چاہئے۔ نیز بچوں کے اندر سے حرص اور خاص کر کھانے کی لالچ کو روکنے کے لئے تربیتی انداز اپنائیں۔

۴۔ لباس کے آداب

بچے کی پرورش اس طریقے پر ہونی چاہئے کہ وہ لوگوں میں قابل عزت اور معزز ہو اور ایسے لباس کو اختیار کرے جس میں شرم و حیا کا عنصر بھی موجود ہو اور وقار بھی قائم رہے۔

۵۔ جسمانی ورزش اور کھیل کے اصول

مخصوص اوقات میں بچوں کے لئے آزادی سے کھیلنا از حد ضروری ہے۔ ایسے کھیلوں کی طرف اُسے راغب کیا جائے جس سے سستی و کاہلی ختم ہو۔ نیز زیادہ سونے سے منع کریں کیونکہ زیادہ سونا قبیح ہے اور یہ ذہن کو کند بنا دیتا ہے۔

۶۔ مجلس کے آداب

بچوں کو اچھے اخلاق سکھانے کے لئے مجالس کے آداب کا سکھانا ضروری ہے۔ اُنہیں اٹھنے بیٹھنے کے طریقوں سے واقف ہونا چاہئے کہ بزرگوں، خواتین اور اپنے سے بڑوں یا چھوٹوں میں کس انداز سے بیٹھنا ہے اور کس طرح ان کا ادب بجا لانا ہے۔

۷۔ زیادہ گفتگو سے پرہیز

بچوں کو اس بات کا عادی بنائیں کہ زیادہ کلام کرنے سے پرہیز کریں بلکہ عمل کی جانب راغب رہیں، ان کے اندر کسی بھی چیز میں غوروفکر کرنے کی عادت کو آہستہ آہستہ پختہ کریں۔

۸۔ دینی تعلیم

بچے کو شریعت کی تعلیم دلوائی جائے تاکہ وہ اپنے فرائض سے آگاہی حاصل کرے اور پھر اسے دوسری تعلیم دلوائی جائے۔ نیز ایسے اصول بچے کو سکھائے جائیں جن سے وہ اچھے امور کی طرف راغب ہو۔ حق اور باطل میں واضح امتیاز کرسکے۔

۹۔ بچہ ایک امانت ہے

امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ کسی بھی انسان میں محاسن اخلاق پیدا کرنے اور انہیں پختہ کرنے کے لئے اس کی بہترین عمر اس کے بچپن کا زمانہ ہے۔ اس لئے کہ بچہ ایک سادہ و نفیس جو ہر قلب رکھتا ہے اور اسے

آسانی سے اچھے اخلاق کا عادی بنایا جاسکتا ہے۔ بچہ ماں باپ کے پاس ایک امانت ہے اسے جس طرف کو مائل کرو، اسی طرف میلان کے قابل ہوتا ہے۔ لہذا اس امانت کا حق صحیح طور پر اس کی تربیت کی صورت میں ادا کرنا چاہئے۔

۱۰۔ دیندار عورت کا دودھ پلانا

بچے کو کسی عورت نیک بخت، دیندار، حلال خور کا دودھ پلانا چاہئے کیونکہ حرام کے دودھ میں برکت نہیں ہوتی۔ جب بچپن میں حرام کا دودھ پیتا ہے تو اس کے دل میں رچ جاتا ہے اور وہ بڑا ہوکر خبث کی رغبت کرتا ہے۔

۱۱۔ بچے کی نگرانی

ابتداء ہی سے بچے کی خبر گیری رکھنا ضروری ہے اور اس کی نگرانی کی جائے کیونکہ اگر خبر گیری نہیں ہوگی تو اس میں بری عادات پیدا ہوسکتی ہیں مثلاً جھوٹ، حسد، چوری، جھگڑا کرنا، چغل خوری، بے ہودگی، بے فائدہ ہنسنا، مکاری اور بے پروائی۔ ان برائیوں سے بچنا حسن تادیب ہے اور یہ تبھی ممکن ہے جب والدین بچے کی نگرانی کریں، اسے آزاد نہ چھوڑ دیں۔

۱۲۔ صبر و تحمل

بچے کو صبر کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے کہ جب استاد کسی بات پر جھڑکے یا سزا دے تو آگے سے شور نہ کرے اور نہ ہی کسی کی سفارش کروائے بلکہ صبر سے کام لے۔

۱۳۔ غذا کے متعلق عمدہ تخیل

غذا کے متعلق بچے کو عمدہ تخیل دینا چاہئے کہ طعام بمنزلہ دوا کے ہے۔ ان سے یہ غرض ہے کہ اللہ کی عبادت کے لئے طاقت پیدا ہو۔ کیونکہ کمزور جسم سے انسان اللہ کی ٹھیک طرح عبادت نہ کرسکے گا اور احکام بجا نہ لاسکے گا اس لئے غذا کو بطور اللہ کی فرمانبرداری کے استعمال کرنا سکھانا چاہئے اور اسے بسیار خوری کے فوائد اور پیٹ بھر کر کھانے کے نقصانات بتانے چاہئیں۔

۱۴۔ دنیا کی بے ثباتی

بچے کو بتانا چاہئے کہ دنیا ایک ناپائیدار شے ہے۔ موت اس کی نعمتوں کا خاتمہ کردیتی ہے اس لئے اس کی کوئی وقعت نہیں۔ یہ صرف ایک گزرگاہ ہے۔ سکون و قرار کا مقام نہیں لیکن عالم آخرت حقیقی سکون و اطمینان کی جگہ ہے اور موت ہر گھڑی سر پر کھڑی ہے۔

بچے کو یہ بات سکھانی چاہئے اور سمجھانی چاہئے کہ انسان اس دنیا سے آخرت کا سامان کرے یعنی زاد راہ اور نیکیوں کا سرمایہ اکٹھا کرے تاکہ اللہ کے ہاں آخرت میں اسے اونچا درجہ نصیب ہو اور جنت کی وسیع نعمتیں ملیں۔

۱۵۔ بچے کی غلط ذہنی نشوونما کا سدِّ باب

اگر بچے کی ابتدائی ذہنی نشوونما غلط طریقہ پر کی جائے یا اس پر توجہ نہ دی جائے تو اس میں طرح طرح کی برائیاں پیدا ہوجائیں گی اور عادت جب پختہ ہوجائے تو آسانی سے بدلنا محال ہے۔ اس لئے اوائل عمر میں اس حوالے سے خیال رکھنا بہت ضروری امر ہے تاکہ اس میں بے حیائی، جھوٹ، فحش گوئی، طمع، آرائش، نزاکت، تکبر و غرور جیسی خصلتیں پیدا نہ ہوں۔ اگر اس میں یہ خصلتیں پیدا ہوچکی ہوں گی تو اس کا دل اس حقیقت کو قبول کرنے سے اسی طرح انکار کردے گا جس طرح خشک دیوار سوکھی مٹی کو قبول کرنے سے انکار کردیتی ہے۔ غرض یہی ابتدائی امور ہیں جن کا پوری طرح خیال رکھنا ضروری ہے۔

۱۶۔ متفرق اخلاقی اقدار

امام ابن مسکویہ نے تہذیب الاخلاق اور امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں درج ذیل مزید اخلاقی اقدار کو بھی بیان کیا ہے جن کی تعلیم دینا اور ان کے مطابق بچوں کی تربیت کرنا از بس ضروری ہے۔ بصورت دیگر ان بچوں کے حوالے سے والدین و اساتذہ اپنی ذمہ داری پوری

کرنے میں ناکام متصور ہوں گے۔

۱۔قناعت و ایثار کی تلقین ۲۔قسم کھانے سے پرہیز
۳۔فضولیات سے پرہیز ۴۔حکم ماننا اور عزت کرنا
۵۔شکوہ نہ کرنا ۶۔سادگی کی عادت ڈالنا
۷۔شرم و حیاء کا پیکر بنانا ۸۔فخر و غرور سے اجتناب
۹۔تواضع سے پیش آئے ۱۰۔خود داری سکھانا
۱۱۔ ہاتھ پھیلانے کی ممانعت ۱۲۔ بزرگوں کی تعظیم کے آداب
۱۳۔سبق آموز کہانیاں سنانا

حصول اخلاق کے طریقے

انسان کی شخصیت کا نکھار اچھے اخلاق میں مضمر ہے۔ اچھے اخلاق کی بدولت انسان نہ صرف اس دنیا بلکہ مرنے کے بعد بھی اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کی سعادت سے بہرہ مند ہوگا۔ ابن مسکویہ نے اچھے اخلاق کو اپنانے کی نہ صرف تلقین کی ہے بلکہ نفس کی تہذیب و تربیت کے لئے کچھ ایسے نکات پیش کئے ہیں جن پر عمل کر کے انسان اپنے اخلاق سنوار سکے۔ یہ طریقے اور نکات درج ذیل ہیں:

۱۔ تمام افعال و اعمال میں خیر کو شر پر، عقائد میں حق کو باطل پر اور اقوال میں صدق کو کذب پر ہمیشہ فوقیت دینی چاہئے۔

۲۔ دائمی جہاد بالنفس کرتے رہنا یعنی انسان نفس کی خواہشات کے خلاف ہمیشہ برسرپیکار رہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کو مقدم و فائق رکھے۔

۳۔ **التمسک بالشریعة، ولذوم وظائفها.**

شریعت پر عمل کرنا اور ان تمام اعمال کو لازم پکڑنا جو کہ شریعت کے وظائف میں شامل ہیں یعنی جن باتوں کا حکم دیا ہے ان کو کرنا اور جن سے منع فرمایا ہے ان سے رک جانا۔

۴۔ تمام جرائم کی وعیدوں کو یاد رکھنا اور تمام گناہوں سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے نیز بندہ اور اللہ کے درمیان جو تعلق ہے وہ ہمیشہ ذہن نشین رہے۔

۵۔ لوگوں سے امیدیں نہ لگانا اور ان سے تکثیر اختلاط سے بچے۔ یعنی لوگوں کے ساتھ بے تکلف ہونے سے احتراز کرنا تاکہ ان پر اعتماد کرنے کی نوبت نہ آئے۔

۶۔ **الصمت فی اوقات حرکات النفس للکلام، حتی یستشار فیه العقل.**

جب نفس کثرت کلام کی طرف مائل ہو تو نفس کو کثرت کلام سے روکنا اور عقل سے بھی مشورہ کرنا۔

۷۔ اپنے حال کی حفاظت کرنا نیز لوگوں سے اختلاط کی حالت و کیفیت میں فساد اور گناہوں میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔

۸۔ **الاقدام علی کل ماکان صوابا.**

ہر نیک کام کی پیش قدمی کرنی چاہئے۔ یعنی اچھے اور پسندیدہ کاموں میں دلچسپی لینا اور ان کے لئے اقدام کرنا۔

۹۔ صرف ان چیزوں کا شوق ہونا چاہئے جو کہ آخرت کے اعتبار سے اہمیت کی حامل ہیں اور ان چیزوں سے اجتناب کرنا چاہئے جو کہ لایعنی اور فضول ہیں۔ یعنی ادنی مشاغل کے مقابلے میں اعلیٰ ذہنی اور اخلاقی مشاغل میں اپنے آپ کو مشغول رکھنا۔

۱۰۔ موت کا ڈر دل سے نکال دینا اور فقر کے خوف کو بھی دل میں جگہ نہ دینا اور جتنا کام انسان کر سکے اتنا کرتا رہے اور کثرت کلام چھوڑ دینا۔

۱۱۔ غناء اور فقر دونوں صورتوں میں اللہ پر بھروسہ رکھنا۔ نیک بختی اور بدبختی، شائستگی اور حقارت دونوں قسم کے سلوک کا اپنے آپ کو خوگر بنانا۔

۱۲۔ مرض کو صحت کے وقت یاد کرنا اور غم کو خوشی کے اوقات میں، رضا کو غضب کے وقت یاد کرنا چاہئے تاکہ طغی اور بغاوت کم ہو۔ اللہ رب العزت کی رضا پر راضی رہنا چاہئے اور اس سے امید رکھنی چاہئے۔ یعنی

صحت کی حالت میں بیماری کے ایام، غصے میں خوشی و مسرت کے لمحات کو یاد کرنا تا کہ کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی کرنے کی نوبت نہ آئے۔

۱۳۔ اللہ رب العزت پر توکل اور تمام معاملات اس ذات کی طرف لوٹانا۔ یعنی خدا پر بھروسہ رکھنا اور امید کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔

(میر ولی الدین، تاریخ فلاسفۃ الاسلام، ص۳۰۴)

اگر امام ابن مسکویہ کے ان تربیتی نکات کا بغور جائزہ لیا جائے تو یہ بات بہت واضح ہوجائے گی کہ انہوں نے اس میں دین کی تعلیمات کو سمونے کی بھرپور کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی رہے۔ عملی طور پر انسان کو اخلاقیات کے حوالے سے جن چیزوں کو سنوارنے کی ضرورت ہوتی ہے امام ابن مسکویہ نے انہیں بیان کیا۔

خلاصہ کلام

انسان کے اخلاق سے ہی اس کی شخصیت کا پتہ چلتا ہے۔ اس کا اٹھنا، بیٹھنا، بول چال، پہننا اوڑھنا، کھانا پینا اس کے اخلاق و تہذیب کی ترجمانی کرتا ہے اور معاشرے میں وہ ایک کامیاب انسان کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اس کا رہن سہن، میل ملاپ ایک اچھے انسان ہونے کی غمازی کرتا ہے اور معاشرہ اس پر گواہ بن جاتا ہے۔ اپنے اچھے اخلاق کی بنا پر وہ نہ صرف دنیا بلکہ آخرت میں بھی کامیابی کی ضمانت حاصل کرلیتا ہے۔

آج ہم اپنے بچوں کی کماحقہ تربیت کے تقاضوں سے ناآشنا ہیں۔ ہمارے علم میں یہ بھی نہیں کہ ہم اخلاق کو کس طرح اپنی فطرت ثانیہ بنائیں۔ بلاشبہ انسانی طبیعت و مزاج میں فرق ہوتا ہے مگر ہر طبیعت و مزاج کے مطابق اس کا اخلاقی علاج بھی باقاعدہ ائمہ کرام نے تجویز کیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ان اخلاقی تعلیمات کو مادیت پر غالب رکھیں اور ذاتی مفادات سے بالاتر ہوکر انسانیت و اسلام کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے آپ کو ایک اچھے، باعمل، تربیت یافتہ اور بااخلاق انسان اور مسلمان کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کریں۔

اچھے اخلاق جہاں قدرتی طور پر انسان میں موجود ہوتے ہیں وہیں مشقت و ریاضت سے بھی ان کا حصول ممکن ہے چونکہ اخلاق سے ہی انسانوں کی پہچان ممکن ہے اور ایک انسان میں بنیادی قدر اچھے اخلاق کا پایا جانا ہے جس سے اس کی اپنی ذات، ملک و قوم کی شناخت ہوتی ہے۔ اس کا آغاز بچپن سے ہوتا ہے۔ اس لئے کہ انسانی شعور کے ابتدائی مراحل کی بہت زیادہ اہمیت ہے کیونکہ یہ وہ دور ہے جب بچے میں سیکھنے کی استعداد زیادہ ہوتی ہے اور چھوٹی عمر میں وہ جو سیکھے گا اس کی ذات اور عادت کا حصہ بن جائے گا۔ اس لئے ابتدائی سال بچے کی زندگی کے بہت اہم تصور کئے جاتے ہیں۔ اگر ان کی پرورش صحیح اصولوں پر کی جائے تو ان میں محاسن اخلاق پیدا کرنا مشکل امر نہیں۔ انسانی شخصیت کو نکھارنے اور سود مند بنانے کے لئے ان ائمہ کی تعلیمات پر کاربند ہونا ضروری ہے تا کہ انسان اپنے اور دوسروں کے لئے مفید ثابت ہو۔

❁❁❁❁❁

ضرورت برائے سیکیورٹی گارڈز

آغوش کمپلیکس، بیت الزہراء اور COSIS میں ڈیفنس فورسز سے ریٹائرڈ پرسنز کی بطور سیکیورٹی گارڈز ضرورت ہے۔ عمر کی حد 45 سال ہے۔ مناسب اعزازیہ، رہائش اور کھانا دیا جائے گا۔ تحریک افراد کو ترجیح دی جائے گی۔

برائے رابطہ: چیف سیکیورٹی آفیسر۔ 042-35169111-3 Ext #222

پاکستان میں تعلیمی کارکردگی

پاکستان عوامی تحریک کا حقائق پر مبنی وائٹ پیپر جاری

عین الحق بغدادی☆

اس امر میں کوئی دوسری رائے اور تجزیہ نہیں ہے کہ جن قوموں نے ترقی کے زینے طے کیے انہوں نے تعلیم کے فروغ کو اپنا مرکز ومحور بنایا اور تعلیم کو فروغ دے کر دنیا کی ممتاز اقوام ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ ہر کلمہ گو مسلمان بڑے فخر سے اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ اللہ کی طرف سے پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ پر جو پہلی وحی نازل کی گئی وہ ''اقراء'' یعنی ''پڑھو'' سے شروع ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ لاتعداد مواقع پر اللہ رب العزت اور پیغمبر اسلام ﷺ نے علم کی فضیلت، ضرورت، اہمیت اور ناگزیریت کو اجاگر کیا۔ مختلف غزوات کے موقع پر جنگی قیدی بننے والے دشمنوں کو ناخواندہ مسلم افراد کو تعلیم دینے کے عوض رہا کیا گیا۔ اسلام کی تعلیمات مساوات پر مبنی ہے، کسی کالے کو گورے اور گورے کو کالے پر، عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے مگر قرآنی تعلیمات کے مطابق جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر نہیں ہیں۔ عالم اور جاہل کا مقام ایک نہیں ہے۔ یہ علم کی فضیلت ہے جس کا برملا اعتراف قرآن وسنت اور قرون اولیٰ کی مسلم اسلامی تاریخ کے اوراق پر پھیلا ہوا ہے۔

یہ عبارتیں بھی ہم کثرت سے پڑھتے ہیں کہ مسلمان جب تک علم اور تحقیق سے وابستہ تھے حاکم تھے اور جب انہوں نے علم اور تحقیق کے راستے کو ترک کیا تو وہ غربت، جہالت، خوف اور بے بسی کے تاریک غاروں میں مقید ہوکر رہ گئے۔ مختصر یہ کہ مسلم ممالک نے اپنی قومی دولت تعیشات کے حصول کے منصوبوں پر خرچ کی اور عصر حاضر کی تعلیم اور ٹیکنالوجی کے حصول کو نظر انداز کیا۔

اس تناظر میں پاکستانی حکومتوں کی کارکردگی بھی مایوس کن ہی نہیں بلکہ قابل مذمت رہی ہے۔ آج 21 ویں صدی کے اندر بھی کوئی ایک ایسا منصوبہ نہیں ہے جسے فخر کے ساتھ تعلیم کی ترقی کے فروغ کے حوالے سے پیش کیا جا سکے۔ اس وقت 46 ارب ڈالر کے سی پیک منصوبوں میں تعلیمی ترقی کا کوئی منصوبہ نہیں ہے۔ موٹرویز، اورنج ٹرین اور میٹرو بسوں کے منصوبے جاری مگر تعلیم کی طرف کوئی توجہ نہیں۔ لاہور اورنج ٹرین کا ایک منصوبہ 265 ارب روپے کے لگ بھگ بتایا جارہا ہے جبکہ اسی شہر لاہور کے اندر 2 لاکھ 90 ہزار بچے سکول ہی نہیں جاتے۔

پنجاب کا وزیراعلیٰ پبلک پرائیویٹ پارٹنر شپ کے تحت سرکاری سکولوں کو نجی شعبہ کے اندر سکول چلانے والے گروپس اور مالکان کو دے رہا ہے۔ تعلیم کے اندر لیپ ٹاپس، سولر لیمپس جیسے سیاسی کاسمیٹک منصوبے متعارف کروائے جاتے ہیں جن کا بنیادی مقصد اخبارات میں بڑی بڑی سرخیاں لگوانا اور آئندہ انتخابی مہم کا میٹریل جمع کرنا ہوتا ہے۔ ان منصوبوں کا شرح خواندگی میں حقیقی اضافہ، اساتذہ کے تعلیمی معیار اور ٹریننگ کو بہتر کرنا ہرگز نہیں ہوتا۔ آج بھی چاروں صوبوں میں اگر دور دراز کے

☆ (ڈپٹی ڈائریکٹر میڈیا سیل PAT، MQI) ainulhaq70@gmail.com

دیہاتی ایریاز کا سفر کیا جائے تو ہمیں بھینسیں اور بچے ایک ہی سکول میں اکٹھے نظر آئیں گے۔ بارہا تعلیمی پالیسیاں بھی آئیں، تعلیمی منصوبے بھی بنے مگر معیاری تعلیم اور شرح خواندگی کا گراف بہتر نہ ہو سکا۔

اقوام متحدہ کے تعلیم سے متعلق ادارے یونیسکو کی رپورٹ ریکارڈ پر ہے۔45 سے 54 سال کی عمر تک کے افراد میں شرح خواندگی صرف 46 فیصد ہے اور مختلف شعبہ جات میں روزگار کمانے والے اور مختلف اداروں میں کام کرنے والے 54 فیصد افراد ناخواندہ ہیں۔جس ملک کی 54 فیصد Productive پاپولیشن ناخواندہ ہو وہاں پر ترقی ،امن اور خوشحالی کا عمل کیسے آگے بڑھ سکتا ہے؟

اسی رپورٹ کے مطابق پاکستان کی شرح خواندگی اور معیار تعلیم خطے میں سب سے کم ہے۔اگر ہم اعلیٰ تعلیم کے حصول کے اعداد و شمار جمع کریں تو کینیڈا کے 44 فیصد نوجوان کالج ایجوکیشن حاصل کرتے ہیں۔امریکا میں یہ شرح 38 فیصد، ڈنمارک میں 32 فیصد، آسٹریلیا میں 31 فیصد، برطانیہ میں 28 فیصد، یونان میں 18 فیصد، پولینڈ میں 14 فیصد، اٹلی میں 11 فیصد اور ترکی میں 10 فیصد ہے جبکہ پاکستان میں بمشکل ایک فیصد لوگ گریجویشن کرتے ہیں۔

جب ہم تعلیمی شعبہ کی زبوں حالی کا ذکر کرتے ہیں تو اس میں بہت سارے فیکٹر کارفرما ہیں۔سب سے بڑا فیکٹر ایک ملک کے اندر درجنوں نظام تعلیم اور طریقہ تدریس سرفہرست ہے۔کہیں انگلش میڈیم ہے، کہیں اردو میڈیم ہے، کہیں پنجابی میڈیم ہے، علی ہذا القیاس علاقائی سطح پر علاقائی طریقہ تدریس کے تحت تعلیم دی جاتی ہے۔ اس تفریق نے ہمیں ایک قوم نہیں بننے دیا۔

اس کے علاوہ ایک اور علمی انسٹیٹیوشن ہے جسے مدرسہ کہا جاتا ہے ۔ان مدرسوں کے اندر بچوں کو کیا پڑھایا جاتا ہے اور یہاں کے پڑھے ہوئے بچے عملی زندگی میں کس انداز کے ساتھ سوسائٹی کے سامنے آتے ہیں، اس پر یہاں بحث مقصود نہیں۔تاہم آج ہم جس اخلاقی ،سیاسی، معاشی اور امن و امان کے حوالے سے مسائل سے دو چار ہیں اس میں ان رنگ برنگے تعلیمی اداروں اور نصاب کا مرکزی کردار ہے۔

حقائق کیا ہیں؟

پاکستان عوامی تحریک کی طرف سے 10 اکتوبر کو تعلیمی شعبہ کی کارکردگی کے حوالے سے ایک وائٹ پیپر جاری کیا گیا ہے۔ وائٹ پیپر کو قومی انگریزی اخبار ڈان، ایکسپریس ٹربیون، نیشن، ڈیلی ٹائمز، پاکستان ٹوڈے، نوائے وقت ،ایکسپریس، دنیا، پاکستان، جناح، آواز سمیت قومی اخبارات نے نمایاں طور پر شائع کیا۔ اس وائٹ پیپر کے مطابق:

☆ ملکی و غیر ملکی اداروں کے اعداد و شمار سے ثابت ہوتا ہے کہ پاکستان میں معیاری تعلیم زبوں حالی کا شکار ہے۔تعلیم کے نام پر 541 ملین ڈالر کی عالمی امداد خورد برد ہوئی۔یونیسکو کے گلوبل ایجوکیشن ڈائجسٹ 2010 کے مطابق پاکستان کو چین اور بھارت کے بعد 541 ملین ڈالر کی سب سے بڑی عالمی تعلیمی امداد ملی مگر اس کے باوجود تعلیمی ترقی اور شرح خواندگی کے اشاریے بہتر نہ ہوسکے۔

☆ صوبہ میں 9 سو سرکاری سکول، کالج مستقل سربراہوں سے محروم ہیں۔5 سو سے زائد سکولوں پر قبضے ہیں۔

☆ صوبے میلینیم ڈویلپمنٹ گولز 2015ء کا ایک بھی ہدف حاصل نہ کرسکے۔ ان اہداف میں سکول جانے کی عمر کے بچوں کی 100 فیصد انرولمنٹ، اول تا پنجم جماعت کے طلبہ کی سو فیصد حاضری اور شرح خواندگی کا ہدف 88 فیصد تک بڑھانا شامل تھا۔

☆ جنوبی ایشیاء میں پاکستان تعلیم پر سب سے کم خرچ کرنے والا ملک ہے ۔ بھوٹان جی ڈی پی کا 4.9 فیصد، بھارت 3.9 فیصد، ایران 4.7 فیصد، مالدیپ

8فیصد، ترکی 6فیصد خرچ کرتا ہے جبکہ پاکستان جی ڈی پی کا 2فیصد خرچ کرتا ہے۔

☆ یونیسکو کی ایجوکیشن فار آل گلوبل مانیٹرنگ رپورٹ 2015ء کے مطابق 49 ملین بالغ افراد لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔ دنیا کے 6.30 فیصد ناخواندہ بچوں کا تعلق پاکستان سے ہے۔

☆ پرائمری سکولوں میں داخل ہونے والے 33فیصد بچے 5ویں جماعت تک پہنچنے سے پہلے سکول چھوڑ جاتے ہیں۔

☆ تعلیم و تربیت کے معیار (سٹینڈرڈ آف ایجوکیشن) کے اعتبار سے پاکستان جنوبی ایشیا میں 123 ویں نمبر پر ہے۔

☆ اقوام متحدہ کی گلوبل ایجوکیشن مانیٹرنگ رپورٹ 2016ء کے مطابق پاکستان کا سیکنڈری ایجوکیشن سسٹم 60سال پرانا ہے۔

☆ دیہات میں لڑکوں میں شرح خواندگی 64فیصد جبکہ لڑکیوں میں یہ شرح 14فیصد ہے۔

☆ بعض ملکی وغیر ملکی اعداد وشمار کے مطابق پاکستان میں آؤٹ آف سکول بچوں کی تعداد 25 ملین ہے۔ تاہم مردم شماری نہ ہونے کے باعث ریاست کے پاس اپنے آؤٹ آف سکول بچوں کی حقیقی تعداد دستیاب نہیں۔

☆ عالمی رینکنگ کے حوالے سے پاکستان کی ایک بھی یونیورسٹی دنیا کی بہترین 500 یونیورسٹیوں میں شامل نہیں جبکہ اس میں چین کی 24 اور ترکی کی 5 یونیورسٹیاں شامل ہیں۔

اگر ہمارے حکمران چین سے اورنج لائن، ترکی سے میٹرو منصوبے لانے کے ساتھ ساتھ ان دوست ممالک کے کامیاب تعلیمی ماڈل کو بھی فالو کریں تو تعلیمی معیار بڑھ سکتا ہے مگر چونکہ اس میں ان حکمرانوں کا کوئی مالی فائدہ نہیں لہذا اس طرف ان کی کوئی توجہ مبذول نہیں ہوتی۔

☆ ادارہ شماریات پنجاب کے مطابق گزشتہ ایک دہائی میں صوبہ میں 75فیصد مسجد مکتب سکول بند ہوئے مگر آبادی میں اضافہ کے باوجود مزید نئے سکول قائم نہیں کیے گئے۔

☆ وائٹ پیپر میں پنجاب میں سرکاری سکولوں کو پبلک پرائیویٹ پارٹنرشپ کے تحت چلانے کے پروگرام پر بھی کڑی تنقید کی گئی اور کہا گیا کہ اب تک 5 ہزار سرکاری سکولوں کی عملاً ''نجکاری'' ہوچکی ہے۔

تجاویز

وائٹ پیپر میں تعلیمی شعبہ میں بہتری لانے کیلئے درج ذیل 14 تجاویز کو بھی وائٹ پیپر کا حصہ بنایا ہے:

۱۔ اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ تمام صوبے آئین کے آرٹیکل A-25 کے مطابق 5 سے 16 سال کی عمر کے بچوں کو مفت اور لازمی تعلیم فراہم کریں۔

۲۔ پرائیویٹ سکولوں کو ریگولیٹ کیا جائے، اساتذہ کی تربیت اور نصابی اصلاحات پر توجہ دی جائے۔

۳۔ آؤٹ آف سکول بچوں کے حوالے سے مردم شماری کروائی جائے۔

۴۔ تعلیمی بجٹ GDP کے کم ازکم 4فیصد تک لایا جائے۔

۵۔ سکولوں پر قبضے ختم اور تعلیمی اداروں میں مستقل سربراہ مقرر کیے جائیں۔

۶۔ تعلیم کے ترقیاتی بجٹ کے 100فیصد استعمال کو یقینی بنایا جائے۔

۷۔ تمام سرکاری سکولوں کو بنیادی سہولتوں کی 100فیصد فراہمی یقینی بنائی جائے۔

۸۔ اساتذہ کے مطالبات پورے کیے جائیں تاکہ وہ یکسوئی کے ساتھ درس وتدریس کے فریضہ کو جاری رکھ سکیں۔

۹۔ مستقل وزرائے تعلیم کے تقرر کو یقینی بنایا جائے۔

۱۰۔ اساتذہ سے درس و تدریس کے علاوہ ہر قسم کی ڈیوٹی کو بذریعہ قانون ختم کیا جائے۔

۱۱۔ میلینیم ڈویلپمنٹ گولز کے حصول کو مقررہ مدت کے اندر یقینی بنانے کیلئے سپیشل ٹاسک فورس بنائی جائے۔

۱۲۔ ملک بھر میں سائنس ٹیچرز کی اسامیاں پر کی جائیں اور عالمی معیار کے مطابق ٹیچنگ میتھڈ اختیار کیا جائے۔ نصاب کو عصری تقاضوں کے مطابق ہم آہنگ کیا جائے۔

۱۳۔ 5 سال کیلئے تعلیمی ایمرجنسی نافذ کی جائے۔

۱۴۔ تعلیم کے شعبہ کو کرپشن فری بنانے کیلئے زیرو ٹالرنس پالیسی اختیار کی جائے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے علم کی اہمیت اور اس ضمن میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے تحریک منہاج القرآن کی بنیاد علم اور تحقیق پر رکھی۔ خود بھی دینی اور دنیاوی جدید علوم کے حصول میں زندگی وقف کی اور تحریک منہاج القرآن سے وابستہ ہونے والے رفقا سمیت ہر سطح کے ذمہ داران کو علم اور تحقیق کے راستے پر ڈالا۔ الحمدللہ شیخ الاسلام نے امت مسلمہ بالخصوص اسلامیان پاکستان کیلئے دینی و دنیاوی علوم کے جدید اداروں کی بنیاد رکھی جو نئی نسل کو جدید علم اور تربیت کے زیور سے آراستہ کر رہے ہیں۔ ان میں ملک بھر میں پھیلے ہوئے منہاج ایجوکیشن سوسائٹی کے 600 سے زائد سکولز، کالجز اور ایک چارٹرڈ یونیورسٹی شامل ہے۔ پاکستان کے اندر اپنی مدد آپ کے تحت کام کرنے والی کوئی ایک بھی ایسی تحریک نہیں ہے جس نے علم کے فروغ کیلئے اتنا کام کیا ہو۔ تحریک منہاج القرآن کے تحت کام کرنے والے تعلیمی ادارے علم کے فروغ اور شرح خواندگی میں اضافے کے ساتھ ساتھ اخلاقی و علمی اعتبار سے تربیت یافتہ نسل کو پروان چڑھانے میں کلیدی کردار ادا کر رہے ہیں۔

❁❁❁❁❁

اظہار تعزیت

گذشتہ ماہ محترم علامہ اسرار احمد (ڈائریکٹر منہاج اسلامک سنٹر ناروے) اور محترم علامہ وقار احمد (ڈائریکٹر منہاج اسلامک سنٹر اٹلی) کی والدہ محترمہ، محترم محمد ارشد جنجوعہ (حافظ آباد) کی والدہ محترمہ، محترم ظفر اقبال بھٹی (گوجرانوالہ) کے والد محترم، محترم بابا نادر خان خاکسار (حافظ آباد) کی بیٹی، محترم محمد نعیم اشرف کے والد، محترم عابد حسین زرگر (حافظ آباد) کے والد محترم گلزار احمد، محترم محمد خالد محمود (وفاقی کالونی۔ لاہور) اور محترم راشد محمود (سعودی عرب) کے بڑے بھائی محترم محمد نصیر (سیالکوٹ)، محترم محمد سرفراز (ونیکے تارڑ) کے ماموں، محترم حافظ عبدالغفور (چیچہ وطنی)، محترم حافظ علم الدین (چیچہ وطنی) کے ماموں، محترم ملک شفیق الرحمٰن (حافظ آباد) کے کزن، محترم چوہدری خضر حیات چدھڑ (مانگٹ خانقاہ ڈوگراں) کے کزن، محترم اسد گوندل (گوجرانوالہ) کے بھائی، محترم حافظ اکرام سرویا (نارنگ منڈی) کی والدہ، محترم حاجی مہری خاں، محترم محمد امجد گوندل کی چچی، محترم محمد حسین جوئیہ (لالیاں) کی بھانجی، محترم ریاض احمد لالی کا بیٹا، محترم رانا ناصر علی کی زوجہ، محترم حافظ راشد محمود (اوکاڑہ) کے دادا جان اور عابد محمود کے والد، محترم ڈاکٹر عتیق الرحمٰن (جھنگ) کے والد، محترم انصر عباس (پی پی 226) کے ماموں اور محترم محمد عابد ساجھی (ونیکے تارڑ) کے تایا قضائے الٰہی سے انتقال فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرکزی سیکرٹریٹ اور گوشہ درود میں موجود احباب نے جملہ مرحومین کی مغفرت و بخشش کے لئے خصوصی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کے درجات بلند فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

پیغام شہادتِ امام حسینؓ کانفرنس

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے عاشورہ محرم الحرام کی شب مرکزی سیکرٹریٹ میں منعقدہ ’’پیغام شہادت امام حسین علیہ السلام کانفرنس‘‘ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ شہادت امام حسین علیہ السلام کے بعد کائنات انسانی کو دو کردار مل گئے، یزیدیت جو بدبختی، ظلم، استحصال، جبر، تفرقہ پروری، قتل و غارت گری اور خون آشامی کا استعارہ بن گئی اور حسینیت صبر، شکر، عدل، امن، وفا اور تحفظ دین مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علامت ٹھہری۔ انہوں نے کہا کہ نوجوان اور خواتین شہدائے کربلا کی مقدس زندگیوں کے مطالعہ کو اپنے معمولات کا حصہ بنائیں اور انکی فکر پر چلیں۔

کانفرنس کا اہتمام منہاج القرآن علماء کونسل کی طرف سے کیا گیا جس میں تحریک منہاج القرآن کے صدر محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، ناظم اعلیٰ محترم خرم نواز گنڈا پور، محترم علامہ حاجی امداد اللہ، محترم علامہ میر آصف اکبر، محترم مولانا اسلم ندیم نقشبندی، محترم مولانا حافظ نعمان جالندھری، محترم علامہ نیاز حسین بخاری نے خطاب کیا۔ اس موقع پر عوامی تحریک کے مرکزی رہنماؤں اور مختلف مکاتب فکر کے رہنماؤں کی ایک بڑی تعداد شریک ہوئی۔

منہاجینز پارلیمنٹ کا اجلاس 2016ء

(رپورٹ: کامران صدیق نوری/ فیصل نذیر وڑائچ): 14 اگست 2016ء کو شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی زیرصدارت منہاجینز پارلیمنٹ کا اجلاس مرکزی سیکرٹریٹ لاہور الصفہ ہال میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے خصوصی شرکت کی۔ اجلاس میں جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن اور منہاج یونیورسٹی لاہور کے سیشن 1991ء سے 2016ء تک کے سیشنز کے فاضلین شریک تھے۔ اجلاس دو سیشنز پر مشتمل تھا، پہلے سیشن میں منہاجینز پارلیمنٹ نے مشاورت کے بعد ورکنگ پلان کو منظور کیا جبکہ دوسرے سیشن میں شیخ الاسلام نے منہاجینز پارلیمنٹ سے خطاب کیا۔

منہاجینز پارلیمنٹ کے اجلاس سے گفتگو کرتے ہوئے صدر منہاجینز ڈاکٹر ابوالحسن الازہری نے جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن اور منہاج یونیورسٹی لاہور کے 24 سیشنز میں 1000 سے زائد فارغ التحصیل منہاجینز کی دنیا بھر میں تعلیمی، تنظیمی اور فلاحی میدان میں کلیدی خدمات کو بیان کیا۔اجلاس کے دوسرے سیشن میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری خصوصی طور پر شریک تھے۔ آپ نے منہاجینز کے درج ذیل نومنتخب عہدیداران سے حلف لیا:

محترم ڈاکٹر ابوالحسن الازہری (صدر منہاجینز)، محترم محمد جواد حامد (سینئر نائب صدر)، محترم نعیم الدین چوہدری (نائب صدر)، محترم محمد عباس نقشبندی (نائب صدر)، محترم ڈاکٹر ممتازالحسن باروی (نائب صدر)، محترم مفتی ارشاد حسین سعیدی (نائب صدر)، محترم شہزاد رسول قادری (سیکرٹری جنرل)، محترم محمد افضل قادری (سیکرٹری فنانس)، محترم عین الحق بغدادی (سیکرٹری میڈیا)، محترم عبد الستار منہاجین (سیکرٹری آئی ٹی)، محترم غلام مرتضیٰ علوی (سیکرٹری ٹریننگ)، محترم محمد حسین آزاد (کوآرڈینیٹر مشائخ)، محترم حافظ غلام فرید (ناظم تنظیمات منہاجینز)، محترم حافظ نیاز احمد (سیکرٹری پلاننگ)، محترم کامران صدیق نوری (ڈپٹی سیکرٹری میڈیا)، محترم محمد یامین مصطفوی (ڈپٹی سیکرٹری آئی ٹی)، محترم صاحبزادہ محمد افتخارالحسن (ڈپٹی سیکرٹری ٹریننگ)، محترم حافظ صفدر علی (ڈپٹی کوآرڈینیٹر ٹیچرز ونگ)، محترم ڈاکٹر شفاقت علی بغدادی (کوآرڈینیٹر شریعہ کالج)، محترم علامہ غلام ربانی تیمور (سیکرٹری دعوت)، محترم فیصل نذیر وڑائچ (کوآرڈینیٹر آفس)

دوسرے سیشن میں محترم ڈاکٹر ابوالحسن الازہری (صدر منہاجینز) نے جملہ منہاجینز کی طرف سے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری اور محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کو خوش آمدید کہا اور منہاجینز کی مجموعی کارکردگی سے آگاہ کیا۔

شیخ الاسلام نے منہاجینز پارلیمنٹ کے اجلاس سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ منہاجینز مصطفوی مشن کا ہراول دستہ اور سرمایہ

ہیں۔ یہ مشن اور تحریک اللہ کا فضل اور بہت بڑا انعام ہے اس کے لیے اپنی کاوشوں کو اور آگے بڑھائیں اور رب کے حضور سجدہ ریز ہوں۔ تمام منہاجینز اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک ہیں مگر ان میں سے چند ایسے ہیں کہ جن کی مثال نہیں ملتی۔ ان میں جواد حامد ہے جو پورے مقدمہ انقلاب کا امین ہے اور سانحہ ماڈل ٹاؤن کا مستغیث ہے۔ یہ شرف کسی اور منہاجین کو حاصل نہیں ہوا۔ اسی طرح نعیم الدین چوہدری ایڈووکیٹ ہے جو سانحہ ماڈل ٹاون کیس کے ڈاکومنٹس اور ریکارڈ کا محافظ ہے۔ سہیل احمد رضا ہے جو سب سے زیادہ وسیع المشرب منہاجین ہے۔ ڈاکٹر نعیم انور نعمانی میرا بڑا قابل فخر بیٹا ہے یہ اولیں پی ایچ ڈی کرنے والوں میں سے ہے۔ اور اس کی اہلیہ ڈاکٹر شاہدہ نعمانی نے ویمن میں سے پہلی پی ایچ ڈی کی ڈگری لی ہے۔ آپ سارے بیٹے اور بیٹیاں قابل فخر ہیں۔

آپ تمام ہراول دستہ ہیں۔ اس تحریک کا علم بلند کریں۔ فتح انشاءاللہ قریب ہے۔ آپ کی فتح کو کوئی نہیں روک سکتا۔ جن کو اللہ پاک اتنا عزم، استقامت، حوصلہ اور جرات دے تو پھر ان کی کامیابی اور کامرانی کو کوئی روک نہیں سکتا۔ آپ کا اس تحریک میں لیڈنگ رول ہونا چاہیے۔ آپ کو اس سے غرض نہیں ہے کہ آپ تحریک میں صدر ہیں یا نہیں ہیں، یہ یاد رکھیں کہ آپ نے اس درس گاہ سے پرورش پائی ہے، اس فکر اور اس آئیڈیالوجی اور اس تحریک کے مشعل بردار ہیں، آپ کو کوئی عہدہ نہیں چاہیے آپ نے از خود اس کو لیڈ کرنا ہے۔ منہاجینز ہونا اتنا بڑا شرف ہے جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس کو آپ کامیابی سے لے کر آگے بڑھیں۔

☆☆☆☆☆

برطانیہ: الہدایہ یوتھ کیمپ 2016ء

منہاج القرآن انٹرنیشنل برطانیہ نے 27 سے 29 اگست 2016ء کو Stoke on Trent میں سالانہ تین روزہ 'الہدایہ یوتھ کیمپ' کا انعقاد کیا۔ یورپ اور برطانیہ سے سینکڑوں طلباء و طالبات نے کیمپ میں شرکت کی۔ اس کیمپ کا مقصد برطانیہ اور یورپ میں مقیم مسلمان نوجوانوں کو شدت پسندی، انتہا پسندی، بنیاد پرستی اور اسلام فوبیا کے بڑھتے ہوئے رجحانات اور ان کے تدارک کے بارے میں علمی و عملی آگاہی فراہم کرنا تھا۔ منہاج القرآن انٹرنیشنل کے صدر محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے الہدایہ یوتھ کیمپ 2016ء کی صدارت کی۔ محترم علامہ سہیل احمد صدیقی اور محترم ڈاکٹر زاہد اقبال سمیت مختلف مکتبہ ہائے فکر سے وابستہ اسکالرز، علمائے کرام اور ماہرین تعلیم نے کیمپ کے سیشنز میں مختلف موضوعات پر خطابات کیے۔ اس کے ساتھ محفل نعت، محفل سماع اور کھیلوں سمیت مختلف تفریحی سرگرمیاں بھی کیمپ کا حصہ تھیں۔

محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے کیمپ کے شرکا سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے پوری امت مسلمہ اور انسانیت کو امن کی تعلیمات دی ہیں۔ آپ نے دہشت گردی کے خلاف مدلل فتویٰ اور نوجوان نسل کے لیے 'نصابِ امن' جاری کر کے علمی محاذ پر تاریخی کارنامہ سرانجام دیا۔ اب نوجوان نسل کا فریضہ ہے کہ وہ اس علمی اسلحہ سے لیس ہوکر معاشرتی برائیوں کا خاتمہ کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔ انہوں نے نوجوان نسل پر زور دیا کہ وہ علم کی طاقت سے انتہا پسندی کا مقابلہ کریں۔ اس کے لیے طلبا عصری علوم کے ساتھ دینی علوم کے حصول پر بھی توجہ دیں۔ دینی درسگاہیں جدید علوم اور جدید طرز تعلیم اپناتے ہوتے ہوئے نوجوان نسل کی راہنمائی کریں، جو وقت کی ضرورت ہے۔

کیمپ کے اختتامی سیشن میں منہاج القرآن انٹرنیشنل برطانیہ کے صدر محترم سید علی عباس شاہ بخاری اور سیکرٹری جنرل محترم معظم رضا نے اظہار خیال کیا۔ انہوں نے شرکا کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس امید کا اظہار کیا کہ کیمپ سے صحت مند اور پرامن معاشرے کی تشکیل میں مدد ملے گی اور امت مسلمہ کے عزت و وقار میں اضافہ ہوگا۔ الہدایہ کیمپ کے اختتام پر امت مسلمہ کی سلامتی، پاکستان کے استحکام و ترقی اور آپریشن ضرب عضب کی کامیابی کے لیے خصوصی دعا کی گئی۔

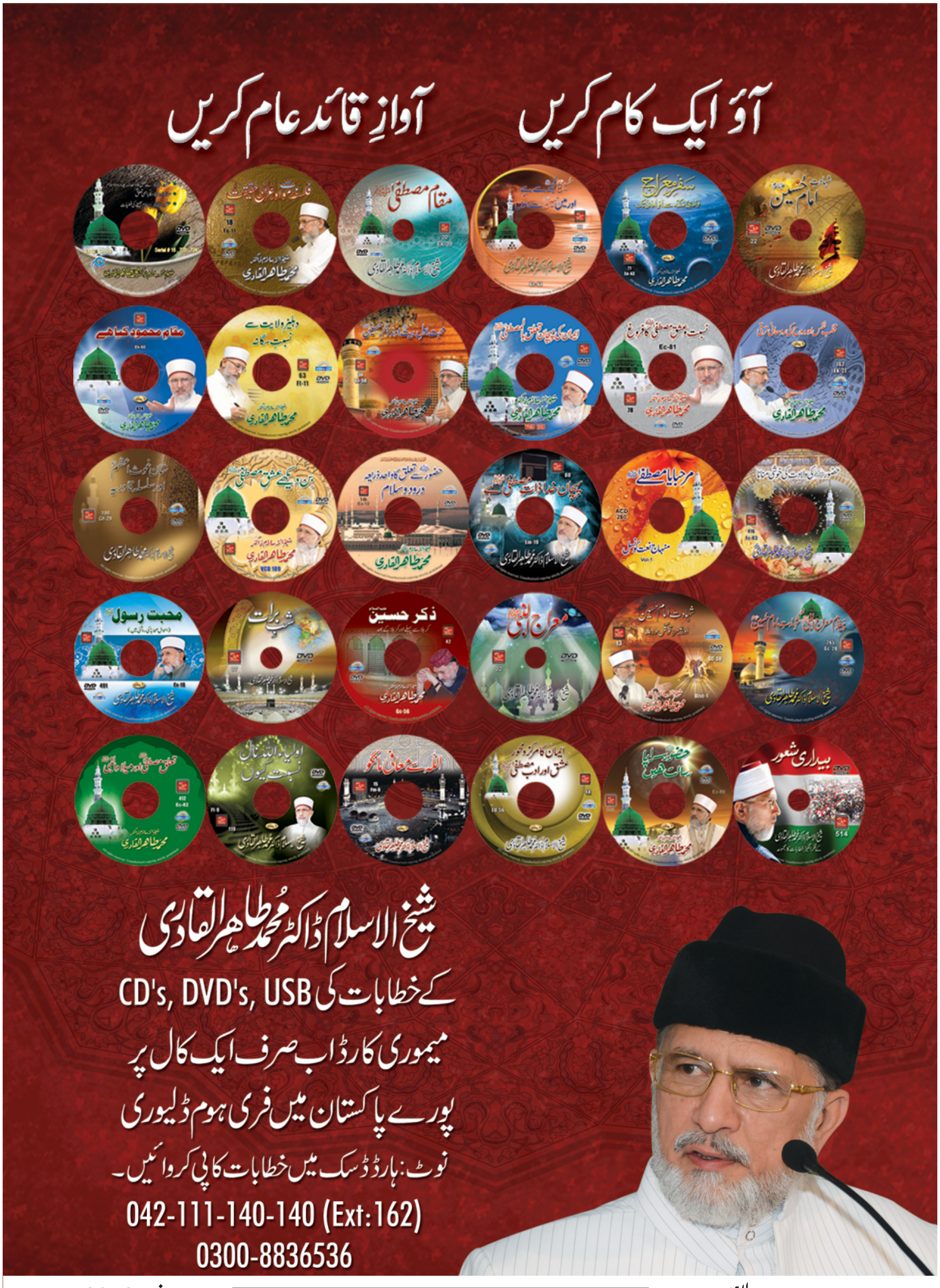
آؤ ایک کام کریں
آوازِ قائد عام کریں
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری
کے خطابات کی CD's, DVD's, USB
میموری کارڈ اب صرف ایک کال پر
پورے پاکستان میں فری ہوم ڈلیوری
نوٹ: ہارڈ ڈسک میں خطابات کاپی کروائیں۔
042-111-140-140 (Ext:162)
0300-8836536

Monthly
MINHAJ-UL-QURAN
LAHORE
NOV-2016
Regd CPL No.41